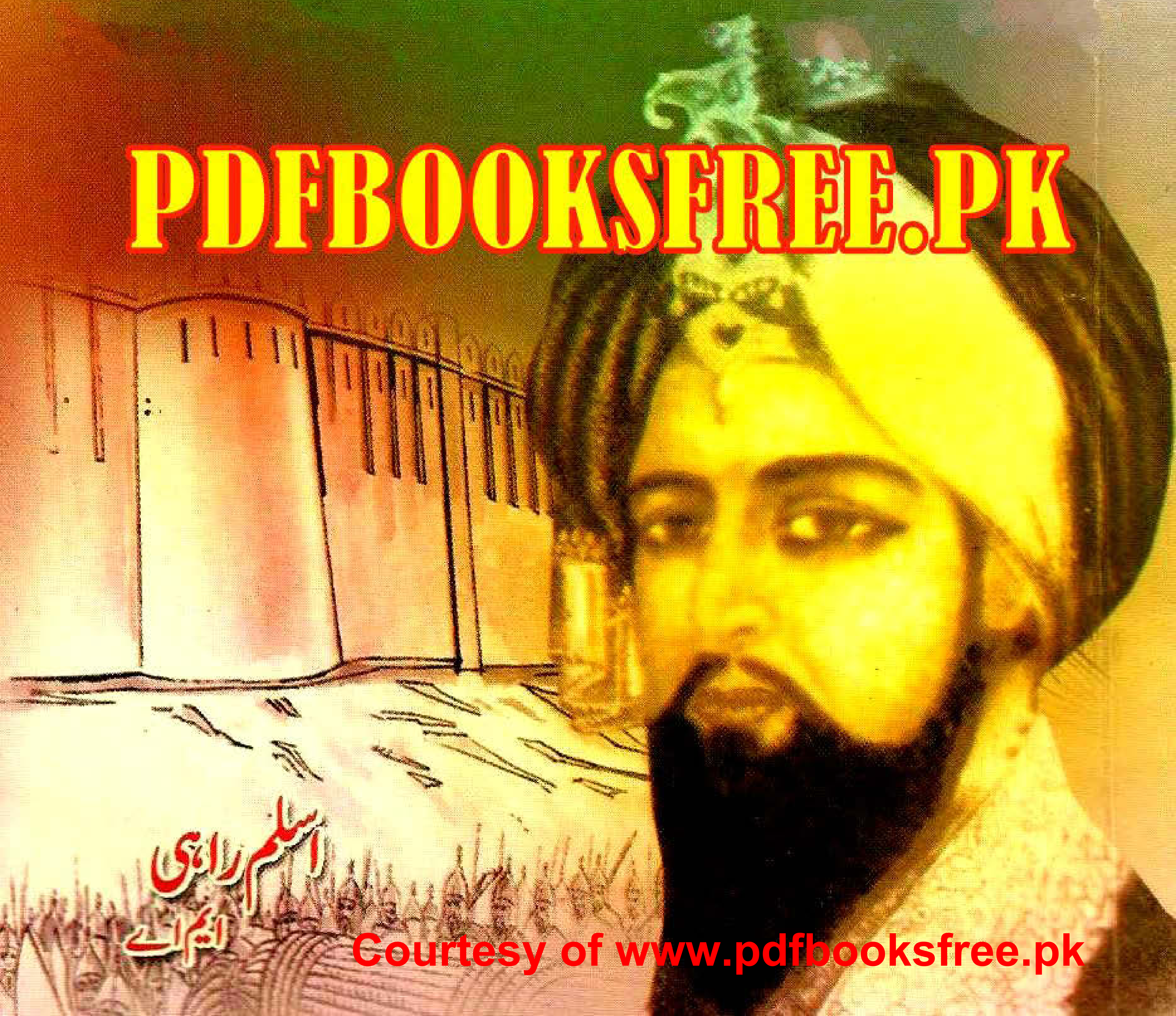
شہنشاہ ہندوستان

ظہیر الدین بابر



شہنشاہ ہندوستان

ظہیر الدین بابر

اسلم راہی ایم اے

شمع بک ایجنسی
نوید اسکوائر
نیو اردو بازار
کراچی
Ph:2773302

نام کتاب ——— ظہیر الدین بابر
مصنف ——— اسلم راہی ایم اے
پرنٹر ——— واحد پرنٹر کراچی
قیمت ——— -/30 روپے

اسٹاکسٹ

صابری دار الکتب	اردو بازار لاہور
عوامی کتاب گھر	اردو بازار لاہور
فہیم بک ڈپو	اردو بازار لاہور
اشرف بک ایجنسی	اقبال روڈ راولپنڈی
شمع بکسٹال	ریگل روڈ فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام	جھنگ بازار فیصل آباد
رحمن بک ہاؤس	اردو بازار کراچی
رشید نیوز ایجنسی	فریئر مارکیٹ کراچی
الحبیب نیوز ایجنسی	اسٹیشن روڈ حیدر آباد

عرض ناشر

ادارہ شمع بک ایجنسی کی عرصہ دراز سے یہ کوشش تھی کہ تاریخ پر چھوٹی چھوٹی اور مختصر کتابیں شائع کی جائیں۔ جن سے بچے بوڑھے اور جوان سب ہی استفادہ حاصل کر سکیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ تاریخ پر قلم کس سے اٹھانے کو کہا جائے کیونکہ ہمارے ہاں تاریخ کے نام پر کچھ ایسی کتب ملتی ہیں۔ جن میں سرے سے تاریخ نام کی کوئی چیز نہیں بس قصے کہانیاں یا رومانس بھر دیا گیا ہے۔

ادارہ کی نظر مشہور و معروف تاریخ داں اسلم راہی صاحب پر پڑی اور ہم نے ان سے رابطہ کیا اور مشہور و معروف مسلمان و غیر مسلم تاریخی شخصیات پر قلم اٹھانے کو کہا۔ وہ جلد ہی راضی ہو گئے۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ہم نے قوم کو تاریخ کا اصل چہرہ دکھایا ہے۔ اور تاریخ کو تاریخ ہی پیش کیا ہے۔ تا کہ من گھڑت قصے کہانیاں۔

ہمارے ادارے نے تقریباً 100 کے قریب تاریخی شخصیات پر کتب شائع کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ان میں مشہور و معروف جلیل القدر سپہ سالار، بادشاہ، جرنیل، فاتح وغیرہ شامل ہیں اور ایسی غیر مسلم شخصیات کو بھی لیا گیا ہے۔ جن کے بغیر تاریخ نامکمل ہے۔ ان میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں پہلی بار کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعزاز ہمارے ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔ مشہور و معروف شخصیات مثلاً صلاح الدین ایوبی ،

حیدرعلی، ٹیپوسلطان، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، نورالدین زنگی، محمود غزنوی، موسیٰ بن نصیر، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، عمادالدین زنگی، خیرالدین باربروسا وغیرہ اس کے علاوہ چنگیز خان، ہلاکو خان، ہیلن آف ٹرائے، نپولین بوناپارٹ، سکندر اعظم، ہٹلر وغیرہ جیسی شخصیات کو بھی شامل کیا ہے۔ ہماری اس تاریخی سلسلے کی فہرست کافی طویل ہے۔

ہمارے ادارے نے وطن عزیز کے طالبعلموں کو تاریخ کی طرف لانے کی جو کوشش کی ہے اس میں ہمیں آپ کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ہم حکومت پاکستان سے بھی یہ گزارش کریں گے کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر **سلیبس** کے طور پر شامل کرے۔

اسلم راہی صاحب کے خیالات سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر انکار نہیں۔ اختلاف کرنا ہر آدمی کا حق ہے اور ضروری نہیں کہ ہمارا ادارہ بھی مصنف کے تمام خیالات سے متفق ہو۔

مگر مصنف نے جس طرح تاریخ کو کھنگال کر مختصر صفحات میں پیش کیا ہے۔ اس کے لیے یہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہم تاریخ سے منہ نہیں موڑ سکتے ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ خدا کرے کہ ہم میں پھر صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، حیدرعلی، ٹیپو سلطان اور نورالدین زنگی جیسی شخصیات جنم لیں۔ جو قومیں تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں، جو قومیں تاریخ کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں، جو قومیں تاریخ کو گزرا ہوا کل کہہ کر رد کر دیتی ہیں۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرتیں۔ تباہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ آیئے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خالد علی

اس کا پورا نام ظہیرالدین محمد بابر تھا۔ 14 فروری 1483ء کو وادیٔ فرغانہ کے حکمران عمر شیخ میرزا کے ہاں پیدا ہوا۔ 1496ء میں جب عمر شیخ میرزا کا انتقال ہو گیا تو وادیٔ فرغانہ کا تخت و تاج ظہیرالدین محمد بابر کے ہاتھ آیا اس وقت بابر کی عمر صرف 12 سال تھی۔

بابر کا والد عمر شیخ میرزا اپنے والد کی طرف سے چوتھی پشت میں عظیم حکمران تیمور لنگ اور اپنی والدہ قتلق نگار خانم کی طرف سے چنگیز خان کے لڑکے چغتائی خان کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی ماں قتلق نگار خانم تاشقند کے منگول حکمران یونس خان کی بیٹی تھی جو چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کا بیٹا تھا۔

چنانچہ بابر کی رگوں میں اپنے والد کی طرف سے چغتائی ترک اور والدہ کی طرف سے منگول خاندان کا خون دوڑ رہا تھا۔ بابر کا والد فرغانہ کا حکمران عمر شیخ میرزا سلطان ابوسعید خان کے نو بیٹوں میں سے ایک تھا۔

سلطان ابوسعید خان تیمور لنگ کے بیٹے شاہ رخ کا پوتا تھا۔ ابوسعید 1457ء میں تخت پر بیٹھا اس کا عہد حکومت بالکل مختلف تھا وہ اپنے دور کا سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس نے سمرقند پر بھی قبضہ کر لیا تھا بعد میں

اس نے ماورائے نہر، بدخشاں، کابل، قندھار، عراق اور خراسان کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ سلطان ابوسعید بہت سی عمدہ صفات کا مالک تھا اور اس میں وقار دور اندیشی وصاف گوئی وسرگرمی اور حیرت انگیز سیاسی قابلیت تھی۔

اسی سلطان ابوسعید کا بیٹا عمر شیخ، بابر کا باپ تھا۔ سلطان ابوسعید کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کے سب سے بڑے بیٹے محمود کو بدخشاں اور حصار کے علاقے ملے، دوسرے بیٹے الغ بیگ کے حصے میں کابل اور غزنی کی حکومت آئی جبکہ بابر کے باپ عمر شیخ کے حصے میں فرغانہ کا علاقہ آیا جس کا مرکزی شہر اندجان تھا۔

فرغانہ کی سرزمین متمدن دنیا کے سرے پر واقع تھی اس کے مشرق میں کاشغر مغرب میں سمرقند اور جنوب کی طرف بدخشاں کے بلند کوہستانی سلسلے تھے اور شمال میں المالیق اور الماتا کی وادیاں تھیں۔ فرغانہ کی وادی جس کا حکمران بابر کا باپ عمر شیخ تھا۔ اس کا رقبہ کچھ زیادہ نہیں تھا لیکن یہاں غلہ اور پھل افراط سے ہوتے تھے اس کی ہر طرف پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ سوائے مغرب کے جو سمرقند اور خجند شہروں کی سمت تھے۔ اس طرف پہاڑیاں اٹھی ہوئی نہیں تھی اور دور دور تک اس سمت سے لوگ فرغانہ میں داخل ہوسکتے تھے اسی علاقے میں دریائے سیحون بہتا ہوا خجند شہر سے گزر کر شمال کا رخ کرتا ہے اور پھر آگے جاکر بحرۂ ارال میں گر جاتا ہے۔

بابر کا باپ عمر شیخ میرزا گو بڑا سخی اور فیاض تھا دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں بھی پیش پیش رہتا تھا لیکن خود اپنے لئے نفع رسان نہ تھا۔ وہ اپنے شہر ''اندجان'' میں اجنبیوں کا خیر مقدم تو ضرور کرتا تھا مگر اسے اتنی توفیق نہ ہوئی کہ وہ علاقے جو

اس کے ماتحت تھے ان کی حفاظت [illegible] ترتیب دیتا۔ خود بابر اپنے باپ کے متعلق ان خیالات کا اظہار کرتا ہے:

میرے باپ کی فیاضیاں وسیع تھیں اس طرح اس کا دل بھی وسیع تھا بڑی بڑی امیدیں اور شاندار منصوبے باندھتا تھا اور ہمہ وقت کشور کشائی کی تجویزیں سوچا کرتا تھا۔ مگر جب کبھی کوئی علاقہ فتح کرنے کے لئے نکلتا تو شکست کھا کر مایوس وملول لوٹ آتا۔“

وہ سلطان ابوسعید کا بیٹا تھا جس نے آخری دم تک تیمور لنگ کی سلطنت کے علاقوں کو مجتمع رکھا۔ عمر شیخ میرزا کسی قدر پست قامت وتراشیدہ نوکیلی داڑھی اور سرخی مائل بال اور بڑے بڑے تن وتوش کا آدمی تھا۔ اتنا تنگ پائجامہ پہنتا کہ پیٹ دبا کر بند باندھے جاتے اور بدن ڈھیلا چھوڑتا تو اکثر بند ٹوٹ جاتے تھے۔ اپنی غذا اور لباس کے بارے میں اسے کوئی خاص لحاظ نہ تھا اور ڈھیلی دستار کے دونوں سرے لٹکتے رہتے تھے۔ گرمیوں میں مغلائی ٹوپی اوڑھا کرتا تھا۔ وہ اپنے عقائد میں پکا تھا پابندی سے پنجوقتہ نماز ادا کرتا اور قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔ مزاج کا نرم لیکن اچھا بہادر آدمی تھا۔ تیر انداز بھی برا نہ تھا۔ مگر اس کے مکا میں زبردست قوت تھی۔ جسے بھی وہ مکا مارتا وہ گرے بغیر نہ رہتا۔ آگے چل کر وہ ایک دوبار بزم ناؤنوش میں بھی شریک ہونے لگا تھا۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا۔ اکثر جوسر، اور کبھی کبھی پانسا بھی کھیلا کرتا تھا۔

فرغانہ نام کی وہ وادی جس کا حکمران بابر ہوا وہ دو مختلف علاقوں پر مشتمل تھی۔ ایک تو ندیوں کے کنارے کے نشیبی دیہات تھے دوسرے غیر آباد کوہستانی

سلسلے۔کوہستانی سلسلوں کے نیچے کی وادیاں ہری بھری چراگاہوں پر مشتمل تھیں اور مویشیوں کے گلے وہاں چرتے تھے جگہ جگہ نرسل کے جھنڈ اور تنگ وادیاں تھیں۔دور دور تک گاؤں بھی نظر آتے تھے۔کوہستانی سلسلے میں کالی بھیڑوں اور بکریوں کی بہتات تھی۔وادی کے لوگ مہمانوں کی تواضع زیادہ تر بادام اور موٹے تیتر کے گوشت سے کرتے تھے۔

وادیٔ فرغانہ کا مرکزی شہر "اندجان" تھا۔"اندجان" کے پھل دار باغات بڑے مشہور تھے۔بابر اپنے استاد کے آگے دوزانو بیٹھ کر پڑھا کرتا تھا۔جاڑے میں عمر میرزا کے قصر کے کمرے میں انگیٹھیاں گرم کر کے،استادوں کے سامنے بابر کی پڑھائی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ بابر نے پڑھائی میں بہت محنت کی اور گیارہ سال کی عمر تک اتنا کچھ پڑھ لیا کہ جو اس عمر کے بچے کے لئے کافی تھا اس کے بعد اسے تعلیم کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں ملا اس لئے کہ اس کا باپ فوت ہوگیا۔

وادی میں تین بڑی زبانیں بولی جاتی تھیں ایک دیہات کی پرانی ترکی زبان تھی دوسری کوچہ وبازار کی فارسی زبان اور تیسرے فصیح عربی اور بابر کو ان پر عبور حاصل تھا۔

بابر کے باپ عمر شیخ کے لئے بابر کا نانا بڑا سہارا ہوا کرتا تھا اس کا نام یونس خان،چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل سے تھا اور تاشقند کا حکمران تھا۔

اب یونس خان مر چکا تھا۔بابر کا باپ عمر شیخ بھی کبوتروں کی کابک سے گر کر اس فانی دنیا سے کوچ کر گیا تھا اب بابر گیارہ سال کی عمر میں چاروں طرف

سے اپنے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا اور اسے اکیلے ہی اپنے ان دشمنوں سے نمٹتے ہوئے زندہ رہنا تھا۔

اب نوعمر بابر کے لئے اس کا سب سے بڑا سہارا وہ عسکری سالار تھا جنہیں عمر شیخ میرزا نے جاگیریں دے رکھی تھیں۔ورنہ اس کے لئے حالات بہت خراب تھے اس کے لاابالی باپ نے طاقتور رشتہ داروں سے جھگڑے مول لے رکھے تھے اور اب وہ سب بابر کی طرف ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ان سب میں پیش پیش بابر کا چچا احمد تھا جو سمرقند کا حکمران تھا اور عمر شیخ کے مرنے کے ساتھ ہی اس نے فرغانہ کے کچھ مغربی قصبات پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور اب وہ بابر کے مرکزی شہر اندجان پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا تاکہ بابر کو فرغانہ کی وادیوں سے نکال باہر کرے اور ساری وادیوں پر قبضہ کر لے۔

بابر کا چچا احمد جو سمرقند کا حکمران تھا اس کی بیٹی سے بابر کی نسبت بھی طے ہو چکی تھی جب وہ بابر کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع ہو گیا تب بابر کے باپ عمر شیخ میرزا کے سالاروں نے بابر کو مشورہ دیا کہ ہمیں سمرقند کے حکمران اور بابر کے چچا احمد کے خلاف حرکت میں آ جانا چاہیئے لیکن فرغانہ کا قاضی بڑا دانا بڑا مخلص انسان تھا اس نے احمد پر حملہ آور ہونے کی تجویز کو رد کر دیا اور لوگوں کو مشورہ دیا کہ ان کا بادشاہ ابھی گیارہ سال کا چھوٹا بچہ ہے اسے رزم گاہوں میں نہ جھونکو بلکہ اس نے مشورہ دیا کہ سمرقند کا حکمران احمد چونکہ بابر کا چچا ہے اور پھر اس کی بیٹی بھی بابر سے منسوب ہو چکی ہے لہٰذا بابر اپنے کچھ قاصدوں کو اپنے چچا احمد کی طرف سمرقند روانہ کرے اور دشمنوں کے خلاف اس سے مدد کی درخواست کرے

اس کے بعد پھر اپنا معاملہ اللہ کی فرضی پر چھوڑ دے۔ بابر نے قاضی کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد اس نے مدد کے لئے اپنے قاصد اپنے چچا احمد کے پاس سمرقند کی طرف روانہ کئے۔

بابر اپنے چچا احمد کی زندگی اور اس کے کردار کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتا ہے۔

''میرا چچا ذہن و دانش سے خالی تھا سیدھا سادا ترک تھا سر پر احتیاط سے بل دے کر پگڑی باندھتا تھا پابندی سے پنجوقتہ نماز ادا کرتا، حتیٰ کہ ناؤ نوش کے جلسوں میں بھی شرکت کرتا۔ اس کے باوجود نماز ترک نہ کرتا تھا۔ اَن پڑھ تھا کوئی تعلیم نہ حاصل کی تھی۔ لیکن انصاف پسند آدمی تھا اور ہر قانونی مسئلہ میں اپنے پیرومرشد سے مشورہ کرتا تھا۔ دادرسی کے وقت اخلاق اور آداب کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ زانوں تک نہ بدلتا تھا البتہ ایک دفعہ جب فرش کے نیچے ہڈی نکلی تب اس نے پہلو بدلا۔ بہت اچھا تیرانداز تھا۔ گھوڑے پر شکار کھیلنے کا بڑا شوقین تھا۔ فطرتاً سادا مزاج کم سخن اور خرچ کرنے سے جی چراتا تھا۔''

بہر حال اپنے قاضی کی نصیحت کے مطابق بابر نے احمد کی خدمت میں قاصد روانہ کئے اور ان قاصدوں کے ذریعے بابر نے فرزند اور خادم کی حیثیت سے اظہار اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنی وادی پر بدستور حاکم رہنے کی درخواست کی۔ بابر کا نیک دل چچا احمد ساتھ ساتھ اپنی وادی پر بدستور حاکم رہنے کی درخواست کی۔ بابر کا نیک دل چچا احمد شاید یہ پیش کش قبول کر لیتا لیکن اس کے سردار بڑے شرپسند اور فتنہ پرداز تھے انہوں نے ایک لڑکے کی اس التجا کو ماننے سے انکار کر دیا جو بڑی آسانی سے قابو میں آ سکتا تھا انہوں نے احمد کو مشورہ دیا

کہ اسے فوراً اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آتے ہوئے بابر کی پوری وادی اور اس کے مرکزی شہر اندجان پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ سرداروں نے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا کہ احمد ایسا نہیں کرے گا تو اس کی بجائے کوئی اور دشمن بابر کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر قبضہ کر لے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ یہ کام احمد خود ہی کر لے۔

اپنے سرداروں کی بات مانتے ہوئے سمرقند کے حاکم اور بابر کے چچا احمد نے اپنے سرداروں کے اس مشورے کو قبول کر لیا اور ایک لشکر لے کر بابر کے مرکزی شہر اندجان کی طرف روانہ ہوا۔

یہ شہر بڑا خوش فضاء تھا اس کے اردگرد ہرے بھرے کھیت اور تجارت کی گرم بازاری تھی ساتھ ہی یہ قلعہ بند بھی تھا۔ پر مصیبت یہ تھی کہ وادیٔ فرغانہ کے لوگ ایک لڑکے کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار نظر نہیں آتے تھے۔ اس کے علاوہ مرکزی شہر اندجان کے باشندے زیادہ تر قدیم تاجک نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اہل حرفہ سوداگر یا کسان تھے یہ بہت قدیم سے ان سرزمینوں میں بسے ہوئے تھے اور صدیوں پہلے سے شمال کے کوہستانی سلسلوں کو عبور کر کے ترک، منگول، تاتار یا سیتھین کے علاوہ دوسرے قبائل حملہ آور ہوتے رہتے اور ان پر حکومت کرتے رہتے تھے یہ لوگ ان کی باہمی جنگوں میں حصہ نہ لیتے تھے تاہم کسی نہ کسی طرح جو سالار وفادار تھے ان کی مدد سے بابر ایک لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا اس طرح یہ نوعمر بادشاہ اپنے چچا احمد اور اس کے لشکریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا جس وقت بابر اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر اندجان سے روانہ ہوا اس وقت وادیٔ فرغانہ کے قاضی نے بڑے

پر خلوص انداز میں بابر کے حق میں دعا دیتے ہوئے کہا۔

"خدا اس کا انجام بخیر کرے۔"

اندجان سے روانہ ہونے کے بعد بابر اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ ایک دھنسی ہوئی ندی کے کنارے پہنچا، وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس ندی کے دوسرے کنارے اس کے چچا احمد کا لشکر پہنچ چکا تھا۔

سمرقند کے لشکر تو بابر پر حملہ آور ہو کر اس کے مرکزی شہر اندجان پر قبضہ کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ انہوں نے جو ندی کے دوسرے کنارے بابر کو اپنے لشکریوں کے ساتھ دیکھا تو وہ ان پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک دم ندی میں کود پڑے گدلے پانی کی اس تیز دھار پر تپلا سا نازک پل تھا اور دونوں کناروں پر دلدل بھی تھی اب جو احمد کے لشکری اس پل کو پار کرنے لگے تو پل ٹوٹ گیا اور گھڑ سوار کیچڑ و پانی اور دلدل میں گرنے لگے۔ لشکر میں کچھ اونٹ بھی تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اونٹوں نے بھاگنے کے علاوہ بدحواسی میں دلتیاں جھاڑنی شروع کر دیں تھیں۔ اس طرح شام تک احمد کا لشکر اپنے اوپر اچانک نازل ہونے والی اس مصیبت سے جان نہ چھڑا سکا، دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ احمد کے وہ لشکری جو اس ندی کو پار کر کے دوسرے کنارے بابر کی طرف آنے میں کامیاب ہوئے وہ کنارے کی دلدل میں غرق ہو کر رہ گئے اس طرح احمد کے لشکر کا کافی نقصان ہوا۔

احمد کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ ان کے بہت سے لشکری دلدل میں غرق ہو کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور یہ کہ اونٹ بدک کر واپس ہو لئے ہیں گھڑ سوار بھی ندی میں گر کر آدھے سے زیادہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو

بیٹھے ہیں تب دوسرے کنارے جا کر بابر پر حملہ آور ہونے کی بجائے وہ واپس سمرقند کی طرف چلے گئے۔ احمد کے لشکریوں کے واپس جانے کے بعد بابر ہی نہیں اس کے لشکری بھی بڑے خوش ہوئے۔ بابر کے سالاروں نے بابر کو بتایا کہ اس سے پہلے بھی سمرقند کا ایک لشکر اندجان پر حملہ آور ہونے کے لئے آیا تھا اس کا بھی اس ندی میں یہی حشر ہوا تھا اس موقع پر کچھ وہمی لوگوں نے بابر کے سامنے اس خوف کا بھی اظہار کیا کہ یہاں جو پہلے لوگ مرے تھے ان کی روحیں احمد کے لشکر پر حملہ آور ہوئیں اور انہیں مار بھگایا چونکہ پہلی ہی جنگ میں بابر لڑے بغیر کامیاب رہا تھا۔ لہٰذا بابر نے دشمن سے اپنے اس مقابلے میں کامیابی پر لوگوں سے کہا۔ "خداوند تعالیٰ نے میری مدد کی ہے۔"

اب بابر ایک طرح سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا نیز اسے داخلی سازشوں کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا لہٰذا ان دشمنوں اور سازشوں کی وجہ سے اسے اپنا پایہ تخت اندجان ہر وقت غیر محفوظ لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تخت نشین ہونے کے بعد ابتدائی کئی برس تک بابر کو اپنے دشمنوں بالخصوص اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں تک کے خلاف مسلسل جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔

بابر کی خوش قسمتی کہ ان دنوں سردیوں میں معمول سے زیادہ برف پڑی جس کی بناء پر اس کی وادیوں کے اطراف کے راستے بند ہو گئے اور وہ ایک طرح سے محصور ہو گیا۔ اسے اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر پہنچانے کا موقع مل گیا۔

اسی دوران بابر کو سمرقند سے جو سب سے اچھی خبر ملی وہ یہ کہ سمرقند میں اس کا چچا احمد میرزا انتقال کر گیا۔ احمد میرزا تیمور لنگ کی بادشاہی کی آخری

پر چھائیں خیال کیا جاتا تھا۔سمرقند میں اس کے مرنے کے بعد اس کے بھائی بھتیجے نہ ختم ہونے والے جھگڑوں میں الجھ گئے ہر ایک اپنا اپنا چھوٹا لشکر رکھتا تھا اور دوسرے سے ٹکرا رہا تھا ہر کوئی تیمور لنگ کی وراثت کا دعویٰ دار تھا اس صورت حال نے سمرقند اور اس کے گردونواح کے حالات کو خراب اور یاس انگیز بنا کر رکھ دیا تھا دوسری طرف دریائے آمو کے اس پار خانہ بدوش منگولوں کو جب خبر ہوئی کہ سمرقند کا حکمران احمد وفات پا گیا ہے تو وہ بھی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں دریائے آمو کو پار کر کے نمودار ہوتے اور سمرقند کے گردونواح میں لوٹ مار مچاتے اس طرح انہوں نے ان علاقوں میں لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔اب سمرقند کی حالت عجیب وغریب تھی گو سمرقند ایک فصیل بند شہر تھا لیکن شہر کے اندر بھی سازشوں کی وجہ سے شہر ایک فصیل بند اکھاڑا بن گیا تھا۔احمد میرزا کے مرنے کے بعد حکومت کے مختلف دعوے دار اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔شہر کے اندر سازش ودغا بازیاں سرگرم عمل ہو گئیں۔شہر والوں کو لوٹ مار سے بچنے کے لئے خود اپنی حفاظت کرنا پڑ رہی تھی۔لٹیرے سربازار نئے نئے حربے استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو لوٹنے لگے تھے۔لشکری جنہیں اب کوئی منع کرنے والا نہ تھا وہ شہر کے مالک بنے ہوئے تھے اور طرح طرح کے شرمناک افعال میں اپنے آپ کو ملوث کر رہے تھے۔

بابر کو جب سمرقند کے ان حالات کی خبر ہوئی تب اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ سمرقند کو لینے کے لئے اپنے جان ومال کی بازی لگا دے گا۔اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے مرکزی شہر اندجان میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہے گا بلکہ اپنا

لشکر لے کر نکلے گا اور سمرقند پر حملہ آور ہوتے ہوئے سمرقند پر قبضہ کر کے وہ تیمور لنگ کا وارث بننے کا عزم کر چکا تھا۔

بابر سمرقند پر حملہ آور ہونے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا کہ اس دوران حالات اس کے لئے مزید سودمند ثابت ہو گئے۔وہ اس طرح کہ سمرقند کے حکمران احمد کے مرنے کے بعد سمرقند میں جو مختلف گروہ آپس میں ٹکرانے لگے۔ ان گروہوں کے جن مسلح جوانوں کو شکست ہوتی وہ بھاگ کر بابر کے پاس پہنچنے لگے۔اس طرح بابر کے لشکر میں تربیت یافتہ لشکریوں کا اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔اس کے علاوہ بابر کو ایک اور فائدہ بھی ہوا کہ اس کا ایک عم زاد بھائی نام جس کا سلطان علی میرزا تھا وہ بھی سمرقند میں شکست کھانے کے بعد وہاں سے بھاگا اور بابر کے پاس اس کے مرکزی شہر اندجان پہنچ گیا۔اس طرح بابر کو عسکری طور پر کافی تقویت حاصل ہوئی۔

بابر نے جب دیکھا کہ اب اس کے پاس خاصہ بڑا لشکر ہو گیا ہے اور اس نے اپنے لشکریوں کی تربیت بھی خوب کر دی ہے۔تب 1497ء میں بابر نے سمرقند پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنے مرکزی شہر اندجان سے کوچ کیا۔اپنی نانی اور اپنی ماں کو اندجان میں ہی چھوڑا اور اپنے چھوٹے بھائی جہانگیر کو وادئ فرغانہ کا محافظ مقرر کرنے کے بعد اس نے سمرقند کا رخ کیا تھا۔

سمرقند میں جو مختلف گروہ آپس میں ٹکرا رہے تھے انہیں جب خبر ہوئی کہ بابر ایک خاصہ بڑا لشکر لے کر سمرقند پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے۔تب انہوں نے بابر کو روکنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا لیکن سمرقند کے ان

عارضی حکمرانوں کی بدقسمتی کہ جو لشکر انہوں نے بابر کو روکنے کے لئے بھیجا وہ لشکر بابر کے ساتھ مل گیا اور بابر نے ان سارے لشکریوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا اور انہیں خوب نوازا اس طرح بابر کی طاقت وقوت میں خوب اضافہ ہو گیا۔

بابر اب بڑی تیزی سے سمرقند کی طرف بڑھا ندی، نالوں کو عبور کرتا ہوا وہ سمرقند سے قریب ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے ان کوہستانی باغوں کے اندر اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا جہاں سے سمرقند کے قلعے کے چمکتے ہوئے گنبد اور خاکی رنگ کی فصیل صاف دکھائی دیتی تھی۔

اب بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند شہر کے نواح میں پڑاؤ کر لیا تھا۔ یہاں پڑاؤ کرنے سے بابر کو ایک فائدہ بھی ہوا اس کا لشکر جب اس شہر کے نواح میں قابض ہوا تب انہیں آس پاس کے سرسبز علاقے کا دانہ چارہ افراط سے ملنے لگا جبکہ ان چیزوں کی سمرقند شہر کے اندر کمی ہونے لگی اس لئے کہ بابر کے محاصرے کی وجہ سے ضروریات کی چیز شہر کے اندر نہ پہنچ پا رہی تھیں۔

اس دوران ایک اور تبدیلی رونما ہوئی سمرقند شہر کے سوداگر جو بابر کے محاصرے کی وجہ سے اپنے کاروبار میں نقصان اٹھانے لگے تھے۔ وہ شہر سے نکل کر بابر کے لشکر میں آنے جانے اور پڑاؤ کے بازار میں اجناس کا تبادلہ کرنے لگے تھے۔ اس طرح جہاں ان سوداگروں کو بابر کے لشکر کی وجہ سے فائدہ ہونے لگا وہاں بابر کے لشکریوں کو بھی ہر چیز میسر ہونے لگی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ بابر کے لشکریوں پر طمع اور حرص غالب آ گئی اور انہوں نے ان تاجروں کا مال واسباب لوٹ لیا۔ تاجروں نے جب اس کی شکایت بابر سے کی تو بابر سختی سے پیش آیا اور اپنے لشکریوں کو اس نے حکم دیا کہ سارا سامان جو لوٹا گیا ہے وہ سمرقند کے سوداگروں کو فوراً واپس کر دیا جائے۔ بابر کے اس حکم کے جواب میں ٹوٹی ہوئی سوئی سے لے کر دھاگے تک سارا سامان ان سوداگروں کو واپس مل گیا جس سے وہ سوداگر بابر کے اس سلوک سے بڑے خوش ہوئے۔

محاصرہ اب طول پکڑنے لگا تھا اور سرما کا موسم نزدیک آ گیا تھا اس بناء پر بابر کے سالاروں نے مشورہ دیا کہ سردیاں سر پر آ گئیں ہیں۔ لہٰذا سرما گزارنے کے لئے اپنے پڑاؤ کو چھوڑ کر قریب کے کوہستانی قلعوں میں قیام کیا جائے۔ جہاں ٹوٹی پھوٹی دیواروں پر چھتیں ڈال کر لشکریوں کے سرما گزارنے کا اہتمام کیا جائے۔

بابر نے اس سے اتفاق کر لیا اس طرح سردیاں گزارتے ہوئے بابر نے سمرقند شہر کا محاصرہ جاری رکھا گو محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔

دوسری طرف سمرقند شہر کی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔ شہر کے اندر خوراک کی کمی کی وجہ سے قحط کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سردیاں سر پر تھیں۔

شہر کا نظم و نسق اس وقت ایک شخص بالسنخر کے پاس تھا۔ محاصرے کی وجہ سے وہ سخت مصائب جھیل رہا تھا جب بابر نے سمرقند کے سوداگروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا تو شہر کے اکثر لوگ بالسنخر کی بجائے بابر کے حق میں ہو گئے۔ سمرقند کے حاکم بالسنخر نے جب یہ خیال کیا کہ بابر نے سمرقند کا محاصرہ تو کر ہی رکھا ہے اور سمرقند کے لوگ بھی اس کی بجائے بابر کو پسند کرنے لگے ہیں اور سوداگر اعلانیہ اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور بابر کی تعریف کرتے ہیں تو اسے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اگر اس نے ان حالات میں سمرقند کے اندر قیام کیا تو لوگ اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیں گے لہٰذا اپنے کچھ وفادار لشکریوں کے ساتھ وہ سمرقند سے نکلا اور سمرقند کے پہلے حکمران احمد میرزا کے رشتے داروں کی طرف چلا گیا۔

سمرقند کے حاکم کے نکلتے ہی شہر اب بابر کے لئے بالکل خالی تھا کوئی مزاحمت کرنے والا نہ تھا۔ لہٰذا ان حالات کی خبر جب بابر کو ہوئی تو اس نے اپنا پڑاؤ ختم کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند شہر میں داخل ہوا اس طرح سمرقند پر بابر کا قبضہ ہو گیا تھا۔

سمرقند سکندر اعظم نے بسایا تھا اور اس کا نام اس نے محفوظ شہر رکھا تھا یہ شہر دریائے سیحون کے کنارے واقع ہے قتیبہ بن مسلم کے ہاتھوں اس شہر کے فتح ہونے سے پہلے سمرقند کے مقامی حکمرانوں کو ترخون کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آخر ایک طویل محاصرے کے بعد قتیبہ بن مسلم نے اسے فتح کیا اس فتح کے بعد بخارا شہر کے ساتھ ساتھ سمرقند بھی مسلمانوں کی تبلیغ و اشاعت کا عام مرکز بن گیا۔ اس شہر کو سب سے زیادہ عروج تیمور لنگ کے دور میں ملا اس کے زمانے میں یہ شہر تجارتی و ثقافتی اور دیگر امور میں اولیت حاصل کر گیا تھا۔ سمرقند کی سرزمین قریبی دریا کے پانی سے سیراب

ہوتی تھی اور سمرقند کے سیب انتہائی رسیلے خیال کئے جاتے تھے اور یہاں کے گہرے رنگ کا انگور بھی پسند کیا جاتا تھا۔ تیمور لنگ نے اپنے دور میں اس شہر کے اندر ایک چار منزلہ محل تعمیر کیا تھا۔ جو نیلے محل کے نام سے شہرۂ آفاق ہوا۔ ساتھ ہی اس نے پتھر کی ایک عظیم جامع مسجد بھی بنائی جس کے دروازے پر قرآن کی آیت لکھوائی گئی۔

"رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنّٰی"

بابر نے تیمور لنگ کے بنائے ہوئے اسی چار منزلہ نیلے محل میں قیام کیا تھا۔

بابر نے اب سمرقند شہر فتح کر لیا تھا اب اس کی سلطنت اندجان سے لے کر سمرقند تک پھیل گئی تھی لیکن جہاں اسے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں وہاں اندر ہی اندر اس کے خلاف سازشوں کے جال بھی بنے جا رہے تھے سازشوں کے یہ جال بننے میں دو آدمی پیش پیش تھے ایک کا نام تمبل اور دوسرے کا نام سلطان علی تھا۔ یہ دونوں اندر ہی اندر سازش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی لشکر بھی تیار کر رہے تھے اور کسی بھی وقت بابر کے خلاف آتش فشاں کی طرح پھٹ سکتے تھے۔ وہ زیادہ تر ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہے تھے جو بابر سے اختلاف رکھتے تھے۔

اب تمبل اور سلطان علی کے درمیان یہ طے پایا کہ تمبل وادیٔ فرغانہ کے مرکزی شہر اندجان پر قبضہ کر لے گا اور جبکہ سمرقند سلطان علی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے گا۔

اسی دوران تمبل حرکت میں آیا اپنے حمایتوں کا ایک خاصہ بڑا گروہ وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا اسے لے کر وہ اندجان پہنچا وہاں بابر کا چھوٹا بھائی جہانگیر اور اس کے دوسرے اہل خانہ قیام کئے ہوئے تھے۔ تمبل نے اندر ہی اندر سازش کر کے بابر کے بھائی جہانگیر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اندجان شہر پر اس نے

قبضہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ساتھ ہی اس نے یہ خبریں بھی دیں کہ وہ عمر شیخ کے بیٹے جہانگیر میرزا کے لئے اندجان شہر فتح کرنا چاہتا ہے۔

تمبل کھل کر اندجان پر حملہ آور بھی ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اسے خبر تھی کہ اگر بابر اس کے مقابلے پر آیا تو پھر اسے شکست دے کر اس کی گردن کاٹ دے گا۔ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تمبل نے تیز رفتار قاصد سمرقند کی طرف بھجوائے تا کہ اس سلسلے میں بابر کے کیا تاثرات ہیں؟

قاصد جب سمرقند پہنچا تو اس نے دیکھا وہاں تو بابر بیمار پڑا تھا اور بابر واقعی ان دنوں سخت بخار میں مبتلا تھا اس قاصد نے واپس جا کر تمبل سے کہہ دیا کہ بابر سخت بیمار ہے اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے یہ خبر تمبل کے لئے بڑی حوصلہ افزا تھی اور اس نے جان لیا کہ اب بابر نہیں بچے گا اگر بابر گزر گیا تو کوئی بھی اس کے خلاف کارروائی نہیں کرے گا۔ لہذا بابر کے بھائی جہانگیر میرزا کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد وہ اندجان شہر پر حملہ آور ہوا اور شہر پر اس نے قبضہ کرلیا۔

بابر کو بیماری سے کچھ افاقہ ہوا اور اسے خبر ملی کہ تمبل نے تو اندجان پر قبضہ کرلیا ہے اور اس کے بھائی جہانگیر کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ بابر اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے نکلا تا کہ اپنی وادی کا مرکزی شہر اندجان واپس لے۔

بابر ابھی سمرقند اور اندجان کے درمیان ہی تھا کہ اسے خبر ملی کہ اس کی غیر موجودگی میں سلطان علی نے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند پر قبضہ کرلیا ہے۔ اب بابر کے پاس نہ سمرقند تھا نہ اندجان دونوں شہروں پر خاصے بڑے لشکر قبضہ کر چکے تھے اس کے علاوہ بابر کے لشکری جنہیں وہ اندجان فتح کرنے کے لئے لے جا رہا تھا

ان میں سے بھی بہت سے بھگوڑے ہو گئے کچھ سمرقند کی طرف بھاگے کچھ اندجان کی طرف یہ دور بابر کے لئے بدترین اور انتہائی نازک دور تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے؟ سمرقند اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اندجان پر پہلے ہی باغی قبضہ کر چکے تھے۔ اس موقع پر بابر نے بے بسی کے عالم میں کہا تھا۔

”اندجان کی خاطر میں نے سمرقند کو کھویا مگر معلوم ہوا اسے کھو کر بھی دوسرے کو نہ بچا سکا۔“

بابر نے جب اندازہ لگایا کہ اندجان اور سمرقند میں دونوں باغی قوتیں اب اس سے زیادہ طاقتور ہو گئیں ہیں تو اس نے اپنے ماموں محمود خان سے مدد طلب کی جو اس وقت تاشقند کا حکمران تھا۔

بابر کی ماں چونکہ محمود خان کی بہن تھی اور وہ اندجان میں باغیوں کے قبضہ میں تھی لہذا محمود خان ایک لشکر لے کر بابر کی مدد کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے اطلاع دی گئی کہ حالات بابر کے حق میں اچھے نہیں ہیں اس کے پاس چند ساتھی ہیں جن کے ساتھ نہ وہ اندجان پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ سمرقند پر اسی دوران اندجان کے نئے حاکم تمبل نے کچھ تحائف بابر کے ماموں محمود خان کی طرف بھجوائے اور اس کی بہن اور اس کے لواحقین کی خیریت کی اطلاع بھی دی۔ اس پر محمود خان بابر کی مدد کے لئے آگے بڑھنے کی بجائے واپس تاشقند چلا گیا۔

اپنے ماموں محمود خان کے رویے سے بابر بڑا مایوس اور افسردہ ہوا۔ حالانکہ اس کا ماموں تاشقند کا حکمران تھا۔ وہ اگر پوری قوت سے آتا اور بابر کو بھی اپنے ساتھ رکھتا تو یقیناً اندجان کے باغیوں کا صفایا کر سکتا تھا لیکن وہ باغیوں کے تحائف وصول کرنے کے بعد واپس تاشقند چلا گیا تھا۔ اب بابر ادھر ادھر سرگرداں رہنے لگا۔ تاہم وہ اپنے ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ بھی کرتا رہا مختلف ذرائع سے اس نے اپنے لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ باغیوں میں سے ایک سرکردہ آدمی جس کا نام علی دوست تھا وہ بابر کے ساتھ مل گیا۔ اس طرح بابر کو کچھ تقویت حاصل ہوئی اب اس کے لشکر کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا وہ اندجان کی طرف بڑھا اور باغیوں سے ٹکرایا اور باغیوں کو اندجان سے باہر نکال کر اس نے اپنے مرکزی شہر پر قبضہ کر لیا۔

ایک بار پھر بابر وادیٔ فرغانہ کے مرکزی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا وہ چاہتا تھا کہ اندجان میں اپنی حالت کو مضبوط اور مستحکم کر کے دوبارہ سمرقند پر حملہ آور ہو اور اسے بھی اپنے ماتحت کر لے۔

بابر کے چچا احمد کی بیٹی عائشہ جس سے بابر کی منگنی ہوئی تھی اس نے ابھی تک سمرقند ہی میں قیام کیا ہوا تھا۔ اب وہ جوان ہو چکی تھی۔ دوسری طرف بابر بھی اب جوان ہو چکا تھا۔ لہٰذا جب اس نے پھر اپنے مرکزی شہر اندجان پر قبضہ کر لیا تب

اس کی ماں اور نانی نے عائشہ کو سمرقند سے بلوایا اور بابر کی شادی کر دی گئی۔

شادی ہونے کے کچھ عرصہ بعد تک بابر اپنی جنگی تیاریوں میں بڑی طرح مصروف رہا اس نے اپنی طاقت اور قوت میں بھی اضافہ کر لیا۔ اب اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ سمرقند پر حملہ آور ہوگا اور اسے پہلے کی طرح اپنی سلطنت میں شامل کر کے اپنی سرزمین کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ کر دے گا۔

دوسری طرف سمرقند پر اس وقت سلطان علی میر مرزا حکومت کر رہا تھا اس نے بھی بھانپ لیا تھا کہ بابر اندجان پر قبضہ کرنے کے بعد سمرقند پر حملہ آور ضرور ہوگا ساتھ ہی اس کے مخبر بھی اسے مطلع کر رہے تھے کہ بابر بہت جلد سمرقند پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے سمرقند کے حاکم سلطان علی خان نے ازبکوں کے سردار شیعبانی خان کو اپنی مدد کے لئے طلب کر لیا۔ شیعبانی خان چنگیز خان کی نسل سے تھا اور اس کا جدامجد چنگیز خان کے سب سے بڑے بیٹے جوچی کا ہم نام تھا اس کا نام ذیشان باتو تھا۔ یہ ذیشان باتو مغلوں کی ایک بہت بڑی تنظیم کا مالک تھا اس کی عملداری روس کے شہروں سے وسطِ ایشیاء کے کوہستانوں کی فصیلوں تک وسیع تھی۔ شیعبانی خان کے جدامجد ذیشان باتو کے بعد ازبک بھی ادھر ادھر بکھر گئے ان کی طاقت منتشر ہو گئی اور ایک موقع پر بابر کے نانا یونس خان نے جو تاشقند کا حکمران تھا شیعبانی خان کے باپ پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دیا تھا۔

شیعبانی خان بھی جوانی کے دور میں بابر کی طرح قسمت آزمائی کے دور سے گزر رہا تھا اس وقت اس کے علاقوں پر بھی جنگی قازق اور غیر مسلم قرغیز حملہ آور ہوتے رہتے تھے اور وہ ان سے اپنے قبیلے کا دفاع کرتا رہا تھا ان ہی وحشی

قبائل سے بچتے ہوئے شیبانی خان اپنے جنگجو قبائل کے جتھے کو بحرۂ آرال کی شمالی چراگاہوں سے جنوب کی طرف لے آیا تھا۔

جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے شیبانی خان نے سب سے پہلے بخارا پر قبضہ کیا۔ بخارا میں قدم جمانے کے بعد شیبانی خان نے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرلیا تھا اور اب جبکہ سمرقند کے حکمران سلطان علی نے اسے بابر کے خلاف مدد کے لئے پکارا تب شیبانی خان سلطان میرزا کی مدد کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ وہ چاہتا تھا کہ سمرقند پر بھی قبضہ کر کے اپنی طاقت وقوت کے علاوہ اپنی سلطنت کو بھی وسیع کرے۔

بابر جب اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھا تب شیبانی خان بھی بخارا سے اپنا لشکر لے کر سمرقند کی طرف بڑھا۔ شیبانی خان نے سمرقند کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت تک بابر اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ شیبانی خان نے محاصرہ اس قدر سختی اور تندہی سے کیا کہ بابر کو شہر کے اندر اناج کی قلت اور قحط کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے اس نے شیبانی خان سے صلح کی درخواست کی۔

شیبانی خان نے صلح کی اس درخواست کو قبول کرلیا اس طرح سمرقند پر بھی شیبانی خان کا قبضہ ہو گیا بابر اور اس کے خاندان کی شیبانی خان نے اس شرط پر جان بخشی کی کہ بابر اپنی بہن خانزادی کی شادی شیبانی خان سے کردے۔

چنانچہ بابر نے اس شرط کو قبول کرلیا اور اپنی عزیز بہن خانزادی کی شادی شیبانی خان سے کرنے کے بعد وہ اپنے خاندان کے سارے لوگوں کے ساتھ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں نکل کھڑا ہوا۔

سمرقند سے نکلنے کے بعد بابر انتہائی مصائب اور مشکلات کے بعد ٹھوکریں کھاتا ہوا اپنے ماموں محمود خان کے پاس تاشقند پہنچا۔

بابر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تاشقند میں اپنے ماموں کے پاس تین سال گزارے اس مدت میں وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے اپنے ماموں کے ساتھ مل کر زور شور سے تیاریاں کرتا رہا۔ 1502ء میں بابر اور اس کے ماموں نے پھر شیبانی خان سے ٹکرانے کی کوشش کی اس وقت تک شیبانی خان سمرقند اور اندجان کے علاوہ وادیٔ فرغانہ کے ان سارے علاقوں پر قابض ہو چکا تھا جن پر کبھی بابر کی حکمرانی ہوا کرتی تھی۔

بابر اور اس کے ماموں نے شیبانی خان سے فرغانہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن شیبانی خان نے اس وقت تک خاصی طاقت پکڑلی تھی۔ اسے خبر ہو چکی تھی کہ بابر اور اس کا ماموں اس پر حملہ آور ہونے کے لئے تاشقند سے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا دونوں ماموں بھانجے کے کوچ کی خبر سنتے ہی اس نے بھی تیزی سے پیش قدمی کی۔ بابر اور اس کا ماموں دونوں شیبانی خان سے ٹکرائے شیبانی خان نے دونوں کو شکست دی۔ بابر تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا جبکہ اس کے ماموں کو شیبانی خان نے گرفتار کرلیا۔

شیبانی خان اگر چاہتا تو بابر کے ماموں محمود خان کا سر قلم کرسکتا تھا۔ لیکن بابر نے ان کا کہا مانا، اس کے باپ اور بابر کے نانا یونس خان جو تاشقند کا حکمران تھا شیبانی خان کے باپ کو قتل کیا تھا۔ لیکن شیبانی خان نے محمود خان کو قتل نہیں کیا بلکہ گرفتار کرلیا۔

شکست کھانے کے بعد بابر جب بھاگا تو شیبانی خان اور اس کے لشکریوں

نے اس کا شدت سے تعاقب کیا بابر بڑی مشکل سے ادھر ادھر بچتا بچاتا ازبکوں کی گرفت سے بھاگ نکلا۔ بابر اور اس کے ماموں کو شکست دینے کے بعد شیبانی خان نے حصار اور قندوز جیسے شہروں پر بھی قبضہ کرلیا اس طرح وسطِ ایشیاء میں تیمور لنگ کے خاندان کو مکمل طور پر زوال آ گیا تھا اور ان کے علاقوں پر ازبک سردار شیبانی خان قابض ہو چکا تھا جبکہ بابر در بدر کی ٹھوکریں کھانے لگا تھا۔

1502ء سے 1504ء تک کا دور بابر کی زندگی کا مشکل ترین دور تھا۔ اس دوران اسے کسی پل بھی سکون میسر نہ ہو سکا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وسطی ایشیاء میں یوں در بدر پھرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ زمین اس پر تنگ ہو چکی ہے تو اس نے افغانستان کی طرف رخ کیا اور وہاں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا کیونکہ اس وقت وہاں ایک غیر مستحکم حکومت تھی اور افغانستان کے لوگ بھی اس حکومت کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ لہٰذا بابر کے لئے اس علاقے میں قدم جمانے کی گنجائش موجود تھی۔

جہاں تک افغانستان یعنی کابل کی حکومت کا تعلق تھا وہاں 1501ء میں افغانستان کے حکمران الغ بیگ کے انتقال کے بعد اس کا شیر خوار لڑکا عبدالرزاق اس کا جانشین ہوا تھا لیکن ایک ارغون سردار محمد مقیم نے بعض عناصر کی پشت پناہی سے کابل میں اقتدار قائم کر کے شیر خوار بادشاہ عبدالرزاق کی بہن سے شادی کر لی اور تمام پرانے سرداروں کو معزول کر دیا۔ ان اقدامات نے مقامی آبادی اور سرداروں کو محمد مقیم کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ جب 1504ء میں بابر نے افغانستان میں داخل ہو کر قسمت آزمانے کی کوشش کی تو اسے مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس طرح بابر کابل پر قابض ہو گیا۔

کابل پر قبضہ کرنے کے بعد بابر نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ میں پہلی بار بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ کابل پر قبضہ کر کے بابر نے وہاں کے محمد مقیم کو قندھار کے نزدیک ایک علاقے کی طرف بھجوا دیا جہاں محمد مقیم کا باپ رہتا تھا۔ اس طرح محمد مقیم اپنی جان بچا کر اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔

اب وسطِ ایشیاء سے نکل کر پورے افغانستان تک ایک طرح سے بابر کا قبضہ ہو گیا تھا گو بابر کے بھائیوں جہانگیر میرزا اور ناصر میرزا نے ماضی میں قدم قدم پر بابر سے بے وفائی کی تھی لیکن وسطِ ایشیاء سے افغانستان کی طرف بھاگتے ہوئے اپنے دوسرے اہل خانہ کے ساتھ بابر اپنے بھائی جہانگیر میرزا اور ناصر میرزا کو بھی ساتھ لے آیا تھا ان دونوں کو اس نے معاف کر دیا تھا۔

افغانستان میں داخل ہونے کے بعد اب بابر کے سامنے امن و امان قائم کرنے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کا کام تھا۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا اس لئے کہ ماضی قریب میں مصائب اور مشکلات کے دوران میں وہ اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں کی وفاداریوں کی آزمائش کے تلخ تجربہ سے گزر چکا تھا۔ لہٰذا اسے قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اس لئے کہ رشتہ دار تو بہت دور کی بات اسے اپنے بھائیوں جہانگیر میرزا اور ناصر میرزا پر بھی کوئی اعتبار اور اعتماد نہ رہا تھا۔

یہاں پہنچ کر ہی بابر کے ہاں اس کا بیٹا ہمایوں پیدا ہوا اس دوران بابر کو ہندوستان کا رخ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

جس وقت بابر نے ہندوستان کا رخ کرنے کا ارادہ کیا اس وقت ہندوستان بہت سی ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا خصوصیت کے ساتھ فیروز شاہ تغلق کی وفات اور دلی کے دور سلطانی کے خاتمہ کے بعد ملک میں لاتعداد چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں معرض وجود میں آ چکی تھیں کوئی مرکزی اور بااختیار اور مضبوط اور مستحکم حکومت نہ تھی۔ ہندوستان کی حالت سے متعلق بابر نے ایک موقع پر کہا تھا۔

"جب ہم نے ہندوستان فتح کیا تو وہاں پانچ مسلمان اور دو بت پرست بادشاہ موجود تھے۔ علاوہ ازیں ملک میں اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی تھیں جو خطۂ ہند کی سیاست میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں اس دور میں شمالی ہندوستان کی اہم ریاستوں میں دلی و گجرات و مالوہ و بنگال و میواڑ، پنجاب، سندھ اور کشمیر قابل ذکر تھیں۔ یہ تمام ریاستیں باہم نبرد آزما رہتی تھیں اور اس بناء پر ان کی طاقت کمزور پڑ چکی تھی۔

بابر کے حملہ کے وقت ابراہیم لودھی دہلی کا سلطان تھا لیکن وہ ایک کمزور اور کسی حد تک نااہل حکمران ثابت ہوا تھا۔ لودھی سلطنت گو بھیرہ سے بہار تک وسیع تھی لیکن درحقیقت اس کا دائرۂ اختیار صرف دہلی، آگرہ، دوآب، بیانہ اور کچھ دوسرے علاقوں تک محدود تھا۔

ان علاقوں میں پنجاب پر ایک شخص دولت خان لودھی کا اقتدار قائم تھا۔ سندھ اور ملتان کے سوا جون پور، بنگال اور اڑیسہ آزادی حاصل کر چکے تھے۔ اس طرح ابراہیم لودھی کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی اس کے بہت سے مقربین و امراء اور نمایاں درباری اس کے سخت رویے اور ضدی طبیعت سے تنگ آ چکے تھے اور کھلے بندوں بغاوت پر آمادہ تھے۔

اس کے علاوہ بہار کے دریا خان لودھی نے مرکز کے خلاف بغاوت کر رکھی تھی۔ میواڑ کے رانا سنگ رام سنگھ نے بھی ابراہیم لودھی کو تخت سے محروم کرنے اور دلی پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے منصوبے بنا رکھے تھے۔ چنانچہ انہی سازشوں کے باعث دلی کی سلطانی انتہائی کمزور پڑ گئی تھی اور حالات ناسازگار رہتے تھے۔

دوسری طرف مسلمان ریاست گجرات تھی جہاں سلطان محمد مظفر شاہ ثانی کا اقتدار قائم تھا سلطان محمد مظفر شاہ ثانی نے اپنی ریاست کو کافی وسعت دے رکھی تھی اور مالوہ کے بہت سے علاقے بھی اس میں شامل کر لئے تھے۔ اس نے رانا سانگا جس کو سنگ رام سنگھ بھی کہتے تھے اس کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ کیا اور شکست دی۔ 1526ء میں سلطان مظفر شاہ ثانی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا بہادر شاہ تخت نشین ہوا جس نے بعدازاں ہمایوں کے دور میں ہندوستان کی

سیاست میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

مالوہ شمالی ہند کی ایک اور اہم مسلمان ریاست تھی سلطان محمود ثانی بابر کے حملہ کے وقت مالوہ کا حکمران تھا۔ سلطان محمود ثانی کی ریاست پر بھی عملی اختیارات پر ایک ہندو وزیر مدینی راؤ چندیری کی گرفت تھی۔ یہ گرفت اس حد تک مضبوط ہو چکی تھی کہ سلطان محمود ثانی اپنے اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ حاکم گجرات کی مدد سے اپنے اس ہندو وزیر سے نجات حاصل کر لے۔ لیکن مدینی راؤ کو میواڑ کے راجہ رانا سانگا کی زبردست حمایت حاصل تھی اس نے رانا سانگا ہی کی مدد سے مالوہ پر حملہ کیا سلطان کی فوجوں کو شکست اٹھانا پڑی۔ اس طرح سلطان محمود ثانی راجپوتوں کا اسیر ہو کر رہ گیا۔

شمالی ہند کی ایک اور مسلمان ریاست بنگال تھی۔ بابر کے حملے کے وقت اس ریاست پر حسین شاہی نسل کا ایک اقتدار قائم تھا۔ 1590ء میں علاؤ الدین حسین شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصرت شاہ حاکم بنگال ہوا۔

جبکہ شمالی ہند کی ریاست میواڑ اس وقت اپنی طاقت وقوت کے لحاظ سے عروج پر تھی جس وقت بابر ہندوستان میں داخل ہوا تھا اس پر رانا سانگا کا اقتدار تھا۔ جو شب و روز جنگ میں مصروف رہا وہ اس وقت تک تقریباً ایک سو جنگیں لڑ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ہمسایہ ریاستیں اس کی قوت سے خائف نظر آتی تھیں۔ رانا سانگا کی دلی خواہش یہ تھی کہ پورے ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کر لے۔ اسی خواہش کے تحت اس نے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی تھی وہ چاہتا تھا کہ بابر اور ابراہیم لودھی دونوں مسلمان قوتیں آپس میں ٹکرا کر کمزور ہو جائیں اور

اسے پورے ہندوستان پر قبضہ کرنے کا موقع مل جائے۔

پنجاب کا علاقہ گو دہلی کی سلطنت کا ایک حصہ تھا پر سولھویں صدی کے آغاز میں پنجاب کسی قدر ایک آزاد ریاست کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس صوبہ کا گورنر ابراہیم لودھی کا ایک رشتہ دار دولت خان لودھی تھا لیکن وہ بھی ابراہیم لودھی کی ضدی طبیعت اور توہین آمیز رویہ کے باعث بددل ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی۔ رانا سانگا کی طرح اس نے بھی بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے دی تھی۔

ہندوستان کی ایک اور اچھی خاصی طاقتور ریاست تھی اس کا نام خاندیش تھا پہلے یہ سلطنت دلی کا ایک صوبہ تھا لیکن ایک شخص عادل فاروقی کی جدوجہد کے بعد آزاد ہو گیا تھا۔ جہاں تک سندھ اور کشمیر کا تعلق ہے یہ بھی آزاد ہو چکے تھے۔ تاہم یہ دونوں علاقے برصغیر میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کر رہے تھے۔

شمالی ہندوستان کے علاوہ ہندوستان کا جنوبی حصہ یعنی دکن میں بھی اس وقت انتہائی انتشار کا عالم تھا اس وقت صرف باہمنی حکومت اور وجے نگر کی سلطنت وہاں قابل ذکر تھی۔ باہمنی حکومت دکن کی ایک نمایاں اور اہم مسلمان ریاست تھی۔ سولھویں صدی کے آغاز ہی میں اس کا زوال آ چکا تھا اور ایک سلطنت کی جگہ وہاں بھی پانچ حکومتیں جنم لے چکیں تھیں۔ جو احمد نگر کے نظام شاہی حکومت کے علاوہ بیجاپور کے عادل شاہ گولکنڈہ کے عماد شاہ اور بیدار کے برید شاہ کی حکومت پر مشتمل تھی۔ یہ تمام ریاستیں بروقت ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہتی تھیں ایک اور ریاست وجے نگر نام کی تھی یہاں پر ایک شخص

کشن دیو کی حکومت تھی اور وجے نگر کی یہ ریاست بھی قوت کے اعتبار سے مضبوط ترین ریاست خیال کی جاتی تھی۔

اس اعتبار سے بابر کے حملے کے وقت ہندوستان پر کوئی مرکزی اور مضبوط حکومت قائم نہ تھی۔ پورا ملک مختلف ریاستوں میں منقسم تھا اور ان ریاستوں میں بھی باہم شدید اختلافات قائم تھے ان اختلافات کے باعث یہ ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار رہتی تھیں۔ کچھ ریاستوں نے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ اس دعوت کا بنیادی مقصد دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ جو انتہائی سخت گیر ضدی طبیعت کا ہٹ دھرم حکمران تھا۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے بابر کے لئے اس سے کوئی اور بہتر موقع نہ ہو سکتا تھا۔

چنانچہ اس نے اس سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا اندرونی انتشار اور اختلافات کے باعث بابر کو ہندوستان میں کامیابی کی پکی امید تھی۔

گو اس وقت ہندوستان سیاسی اعتبار سے منقسم تھا لیکن بعض تحریکوں نے اسے ثقافتی اعتبار سے یکجاء کر رکھا تھا۔ ان تحریکوں میں اہم اور نمایاں "بھگتی تحریک" تھی جس کا آغاز گو چودھویں صدی میں ہوا تھا لیکن ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد اور بالخصوص سولھویں صدی میں اس تحریک کو عروج حاصل ہوا۔ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد ہندوؤں کے مذہبی خیالات پر خاصے اثرات مرتب ہوئے۔

ہندو مبلغوں اور مصلحین نے اسلام کی روشنی میں ہندومت کے اندر

اصلاحات کی کوششیں شروع کر دیں۔ "بھگتی تحریک" کا پہلا مبلغ رام نج تھا۔ بھگتی تحریک کا سب سے بڑا مبلغ نام دیو مہاراشٹر کا رہنے والا تھا۔ اس نے خدا کی ذات واحد اور تمام مذاہب میں یکسانیت کی تبلیغ شروع کی۔ اس کا کہنا تھا کہ ہندومت اور اسلام کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ "بھگتی تحریک" ذات پات کے امتیاز کو روا نہ رکھتی تھی۔ چنانچہ ہندوؤں میں چھوٹی ذات کے لوگوں نے بھگتی نظریات کے اثرات کو فوری طور پر قبول کیا۔ تاہم اس تحریک کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں بھی ہندوؤں کے کچھ خیالات، رسم و رواج نشو و نما پانے لگے تھے۔

بھگتی تحریک کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بہت سے اختلافات بھی سرد پڑ گئے تھے۔ اس تحریک نے فن تعمیر اور ادب پر نمایاں اثرات مرتب کئے مہابھارت اور راج ترنگنی سنسکرت کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے ہوئے اور بہت سی فارسی اور عربی کتب کے ہندی تراجم کئے گئے۔

تاہم ان دنوں تجارت عروج پر تھی اندرونی اور بیرونی تجارت بڑے تسلسل کے ساتھ وسیع پیمانے پر ہوتی تھی۔ انڈونیشیا، چین اور ملایا کے ساتھ بحری تجارت عام تھی اس کے علاوہ خشکی کے راستے مرکزی ایشیاء، افغانستان، ایران اور تبت کے ساتھ تجارت کا فروغ حاصل تھا۔

اس موقع پر ہندوستان سے متعلق بابر خود کہتا ہے۔ "گو یہاں کے لوگوں کا عام معیار زندگی بلند نہ تھا لیکن بالائی و متوسط طبقہ اور امراء عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔"

جہاں تک اس وقت کے ہندوستان کے لشکریوں کا تعلق تھا تو وہ فنون

حرب میں کسی سے کم نہ تھے تاہم ان کے پاس اسلحہ و تنظیم اور تربیت کا فقدان تھا اور اسی کمی اور کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر بابر نے ہندوستان پر حملہ آور ہونے اور قبضہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے 1505ء میں بابر نے ہندوستان کا رخ کیا اس نے بدام، چشمہ، اونا پور اور جرود کے راستے پہلا حملہ کیا اور دریائے سندھ کے مغرب میں کوہاٹ اور ڈیرہ اسماعیل خان تک چڑھائی کر دی بابر کی غیر موجودگی میں اس کا بھائی ناصر میرزا بھی حرکت میں آیا اور اس نے غزنی سے روانہ ہو کر بدخشاں پر حملہ کر دیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کر لی مگر چند ہی ماہ بعد اسے ناقابل برداشت حالات کے باعث واپس آنا پڑا۔

بابر کی بدقسمتی کہ اس کا بھائی جہانگیر میرزا پہلے بھی اس کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرتا رہا تھا۔ جس وقت بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کی غیر موجودگی میں اس نے بابر کے خلاف بغاوت کر دی اور غزنی کو تباہ کرنے کے بعد وہ شمال کی طرف بھاگ گیا اور بابر کے دشمنوں سے جا ملا۔

ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی پہلی مہم میں بابر کو خاصہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی ایک بڑی وجہ ہندوستان کا موسم تھا گو کہ ان دنوں زیادہ گرمی نہیں پڑ رہی تھی لیکن بابر اور اس کے لشکریوں کے لئے یہ موسم ناقابل برداشت تھا۔ بابر کا یہ حملہ چار ماہ تک جاری رہا آخر وہ مئی 1506ء میں کابل واپس چلا گیا۔ جس وقت بابر ہندوستان پر حملہ آور ہو رہا تھا اس وقت اس کا بدترین دشمن شیبانی خان اپنی سلطنت کو وسعت دے رہا تھا۔ اس نے خیوہ شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور اب بلخ کے

لئے خطرہ بنا ہوا تھا۔ جس وقت بابر افغانستان میں مقیم تھا۔ اس کے باپ کے بھائیوں میں سے صرف ایک حسین میرزا زندہ تھا جو ان دنوں ہرات کا حکمران تھا۔

جب ہرات کے لئے شیبانی خان کی طرف سے خطرہ اٹھا تب حسین میرزا نے اس سلسلے میں شیبانی خان کے خلاف بابر سے مدد کی درخواست کی۔ بابر نے یہ درخواست فوراً قبول کر لی اور اپنے لشکر کو لے کر اپنے چچا کی مدد کے لئے روانہ ہوا اور ابھی وہ اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا کہ اسے سلطان حسین میرزا کی وفات کی اطلاع ملی۔ اس کے باوجود بابر نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور خراسان میں ازبک حکمران شیبانی خان کو زیر کرنے کے لئے ہرات کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

بابر جب اپنے لشکر کے ساتھ 26 اکتوبر 1506ء کو ہرات کے قریب پہنچا تو سردی کا موسم اپنے عروج پر آ گیا اور بابر کے سالاروں نے بابر کو مشورہ دیا کہ موسم سرما ہرات میں گزارہ جائے لیکن بابر نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ اس کی غیر موجودگی میں کابل میں ایک سازش تیار کی جا رہی تھی اور کچھ غیر مخلص سالار بابر کی بجائے اس کے بھائی کو کابل کا حکمران بنانے کی کوشش کر رہے تھے ان حالات میں بابر نے ہرات میں قیام نہیں کیا۔ بلکہ بڑی تیزی سے وہ مڑا اور برف پوش دروں سے گزرتا ہوا کابل کی طرف روانہ ہوا راستے میں وہ ہزارہ قبائل پر بھی حملے کرتا رہا اس طرح بڑی برق رفتاری سے کابل میں اٹھنے والی سازش کو اس نے ناکام بنا دیا۔

دوسری طرف شیبانی خان خراسان پر حملہ کرنے کے لئے سمرقند سے روانہ

ہوااور جون 1507ء میں اس نے ہرات پر قبضہ کرلیا۔ ہرات کے اندر کوئی ایسی قوت نہ تھی جو شہر کا دفاع کرتی لہٰذا ہرات شیعبانی خان کے قبضہ میں چلا گیا۔

شیعبانی خان اب قندھار کے انتہائی عسکری اہمیت کے پیش نظر اس پر بھی نگاہیں جمائے ہوئے تھا لیکن بابر بھی چاہتا تھا کہ قندھار پر قبضہ کرے جس وقت ہرات پر شیعبانی خان کا قبضہ ہوگیا تو قندھار کے حکمرانوں نے شیعبانی کے خلاف بابر سے مدد کی درخواست کی لیکن جونہی بابر نے ان کی مدد کے لئے اقدامات کا آغاز کیا تب قندھار کے ارغون حکمران بابر کے خلاف ہو گئے۔

بابر بڑی تیزی سے قندھار کی طرف بڑھا جہاں کابل سے نکلنے والا مقیم خان اور اس کا بھائی شاہ بیگ مقیم تھے۔ بابر ان پر حملہ آور ہوا اور انہیں بھاگ جانے پر مجبور کردیا۔ اسی دوران بابر کو اطلاع ملی کہ شیعبانی خان قندھار کا محاصرہ کرنے کے لئے بڑی تیزی سے پیش قدمی کررہا ہے بابر اس موقع پر شیعبانی خان کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا قندھار کو اس نے اپنے حال پر چھوڑا اپنے لشکر کو لے کر کابل کی طرف بڑھا اس نے پھر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

شیعبانی خان آندھی اور طوفان کی طرح قندھار کے قریب آیا اور قندھار پر حملہ آور ہوا۔ قندھار میں کوئی ایسی قوت نہ تھی جو اس کا مقابلہ کرتی۔ شیعبانی خان قندھار پر قبضہ کرنے کے قریب ہی تھا کہ اسے اپنے لشکر کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ اس لئے کہ ان ہی دنوں اس کے کچھ قاصد اس کے پاس آئے اور اسے اطلاع دی کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کچھ غیر ذمہ دار سرداروں نے اس کے خلاف بغاوت کردی ہے۔ بابر اتنی دیر تک اپنے لشکر کے ساتھ کابل پہنچ چکا

تھا۔ اسی دوران اسے خبر ہوئی کہ قندھار پر قبضہ کئے بغیر شیعبانی خان واپس چلا گیا ہے تب وہ ہندوستان پر حملہ آور نہیں ہوا کابل میں ہی قیام کیا اور حالات کا جائزہ لینے لگا۔ جب اسے خبر ملی کہ شیعبانی خان واقعی قندھار کا قبضہ لئے بغیر واپس چلا گیا ہے تو اس نے سکھ اور سکون کا سانس لیا۔

اپریل 1509ء سے 1510ء تک کے حالات پھر بابر کے حق میں ہو گئے اس دوران وہ بڑی خاموشی اور سکون کے ساتھ کابل میں مقیم رہا۔ 1510ء میں بابر کی خوش قسمتی کہ شیعبانی خان اور ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کے درمیان جھڑپیں شروع ہوگئیں چونکہ دونوں کے خلاف وسیع اختلافات رونما ہوگئے تھے انہی اختلافات کی وجہ سے شیعبانی خان اور اسماعیل صفوی کے درمیان 2 دسمبر 1510ء کو مرو کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی اس موقع پر بابر کی ہمدردیاں ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کے ساتھ تھیں۔ اس لئے کہ شیعبانی خان نے اسے وسط ایشیاء سے نکال کر باہر کیا تھا۔

گو شیعبانی خان کے ہاتھوں خراسان کی فتح ازبکوں کے کرمان میں داخلے کے بعد اسماعیل صفوی کی فتح ناممکن نظر آتی تھی لیکن مرو کے مقام پر لڑی جانے والی جنگ میں شیعبانی خان کی بجائے قسمت نے اسماعیل صفوی کا ساتھ دیا اور اس جنگ میں شیعبانی خان مارا گیا اور ایران کا بادشاہ اسماعیل صفوی کامیاب رہا۔ شیعبانی خان کی وفات کے بعد بابر کی بہن جو شیعبانی خان کی بیوی تھی وہ ایران کے بادشاہ اسماعیل کے ہاتھوں میں قید ہوئی۔ اسماعیل نے اس کا احترام کیا اور اسے بابر کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح بابر کو اپنی بہن بھی مل گئی۔ ساتھ ہی

ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کے ساتھ بابر کے تعلقات بھی دوستانہ ہو گئے
اس دوران اسماعیل صفوی نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر اس نے اپنی حکومت کو قائم رکھنا ہے تو بابر کے ساتھ صلح کن رویہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

بابر بھی اسماعیل صفوی کی دوستی کے ذریعہ مستحکم حکومت قائم کرنے کا خواہشمند تھا اور چاہتا تھا کہ وسط ایشیاء میں اپنے علاقوں پر پھر قابض ہو جائے۔
آخر اس موقع پر شاہ اسماعیل اور بابر کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے بعد اسماعیل صفوی نے بابر کی مدد کی اپنے اور ایرانی لشکر کے ساتھ بابر کابل سے نکلا اپنی آبائی سرزمین فرغانہ کی طرف روانہ ہوا اپنے سارے علاقوں کو فتح کر کے وہاں اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور اپنے نام کا خطبہ بھی پڑھوایا۔

شیبانی خان کی ہلاکت اور اسماعیل صفوی کی فتح کے بعد بابر اور صفوی کی افواج نے بخارا کا رخ کیا اور معمولی مزاحمت کے بعد یہ شہر فتح کر لیا۔ بعد ازاں سمرقند کی طرف پیش قدمی کی گئی وہاں کے عوام نے بابر کا زبردست استقبال کیا اس طرح بابر اپنے دادا سلطان ابوسعید میرزا کے دور میں اس کے تمام زیر اثر علاقوں کی فرمانروائی کا مدعی ہو گیا۔ اکتوبر 1511ء میں بابر نے سمرقند میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اب اس کی سلطنت میں تاشقند، کابل، قندھار، حصار، سمرقند، بخارا اور اندجان جیسے عظیم اور بڑے بڑے شہر شامل ہو گئے تھے۔

دوسری طرف ازبکوں کے عظیم سردار شیبانی خان کے جنگ میں مارے جانے کے بعد ازبک بے کار نہیں بیٹھے تھے۔ وہ اپنی جنگی تیاریوں میں معروف رہے شیبانی خان کے بعد اس کے بھتیجے عبید اللہ خان نے ازبکوں کی کمانداری سنبھالی اور دن رات ایک کر کے وہ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے لگا تھا۔ دوسری طرف ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی اور بابر کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ ان دونوں نے چونکہ ازبکوں کے خلاف اتحاد بنا لیا ہے لہٰذا ازبک کسی بھی وقت دونوں کے خلاف حرکت میں آ سکتے ہیں اس بناء پر انہوں نے بھی اپنی جنگی تیاریوں کو اپنے عروج پر پہنچا دیا تھا۔

آخر کار ازبک سرداروں نے ایک بار پھر بابر کے خلاف حملہ کرنے کا عزم لیا۔ شیبانی خان کے بھتیجے عبید اللہ خان کو ایرانیوں کے ہاتھوں بخارا فتح ہونے کا بے حد دکھ اور صدمہ تھا۔ اسے بابر کے خلاف بھی بڑا غصہ تھا کہ اس نے ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کے ساتھ مل کر ازبکوں کو نقصان پہنچایا اور انہیں بخارا جیسے مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے عظیم شہر سے محروم کیا۔

آخر مئی 1512ء میں عبیداللہ خان لشکر لے کر سب سے پہلے بابر کی طرف روانہ ہوا اس وقت تک بابر اپنے آبائی علاقوں کے علاوہ اور بہت سے علاقوں پر بھی قابض ہو کر اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کر چکا تھا۔ آخر عبیداللہ اور بابر کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ بابر کی بدقسمتی کہ اس جنگ میں اسے عبیداللہ کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک بار پھر ازبکوں سے شکست اٹھانے کے بعد بابر کے لیے سمرقند میں رہنا مشکل ہو گیا لہٰذا سمرقند سے نکل کر وہ اپنے لشکر کے ساتھ حصار شہر کی طرف چلا گیا۔

لیکن ازبک اب اس کے پیچھے لگ گئے تھے اگست کے مہینے میں ازبکوں نے پھر اس کا تعاقب شروع کیا اس موقع پر ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی نے ایک بہت بڑا لشکر اپنے ایک سالار نجم بیگ کی قیادت میں بابر کی مدد کے لئے روناہ کیا یہ لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ ایرانیوں کے سالار نجم بیگ کو عبیداللہ خان کے ہاتھوں بابر کی شکست کی اطلاع ملی۔

شکست کی یہ خبر سن کر نجم بیگ بھی محتاط ہو گیا وہ جان گیا تھا کہ ازبکوں نے اپنی طاقت و قوت کو خوب بڑھا لیا ہے اسی بناء پر وہ بابر کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں حالات بتاتے تھے کہ نجم بیگ بذات خود عبیداللہ خان سے خوف زدہ تھا جو لشکر لے کر وہ نکلا تھا اس کے ساتھ نہیں ٹکرانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے ہرات میں قیام کیا وہاں سے اس نے مزید لشکر حاصل کیا اس کے بعد اس نے بلخ کی طرف پیش قدمی شروع کی۔

اکتوبر کے مہینے میں ایرانی سالار نجم بیگ اپنے لشکر کے ساتھ دربند کے مقام

پر بابر سے جا ملا اس طرح ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کے سپہ سالار نجم بیگ اور بابر نے مشترکہ لشکر کے ساتھ ازبکوں کے خلاف اپنی کارروائیوں کی ابتداء کی۔

بابر اور نجم بیگ کا متحدہ لشکر حرکت میں آیا سب سے پہلے ازبکوں کے ایک چھوٹے شہر پر قبضہ کیا اس کے بعد ایک زیادہ اہمیت کے شہر کی طرف بڑھے جس کا نام ''قرشی'' تھا اسی دوران نجم بیگ اور بابر کو اطلاع ملی کہ ازبکوں کے لشکر نے رزدوان کے قلعے میں قیام کیا ہوا ہے لہٰذا نجم بیگ اور بابر نے بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے رزدوان نام کے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا جس میں ازبک قیام کیے ہوئے تھے۔

چند دن تک یہ محاصرہ جاری رہا کیونکہ جب رزدوان شہر کے اندر سے بار بار نکل کر ازبکوں نے ایرانیوں اور بابر کے لشکر کو نقصان پہنچانا شروع کیا تب بابر سے مشورہ کرنے کے بعد نجم بیگ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر رزدوان کا محاصرہ جاری رکھا گیا تو اس کے لشکر کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑے گا اور ان کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ چنانچہ بابر کے مشورہ سے محاصرہ ختم کر دیا گیا اور دونوں ایک بار پھر قرشی شہر واپس چلے گئے۔

اس وقت تک بابر کی یہ حالت تھی کہ وہ تین بار سمرقند حاصل کرنے اور محروم ہونے کے بعد چوتھی بار اس پر قبضہ سے مایوس ہو چکا تھا۔ ایرانی سالار نجم بیگ نے بھی ازبکوں سے ٹکراتے ہوئے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ازبکوں کے خلاف کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کر سکتا اور اگر انہوں نے ازبکوں کے خلاف جنگ جاری رکھی تو ہو سکتا ہے کہ بابر اور نجم بیگ دونوں کے مشترکہ لشکر کو بدترین شکست ہو اور ماضی میں

جو ایرانیوں نے شیعبانی خان کے خلاف فتح حاصل کی تھی اس پر پانی پھر جائے اور بابر کے ساتھ ساتھ ایرانیوں کو بھی اپنے بہت سے علاقوں سے محروم ہو جانا پڑے۔

اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے ایرانی سالار نجم بیگ تو اپنے لشکر کو لے کر واپس ایران چلا گیا۔ جبکہ بابر حصار شہر سے نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ قندوز شہر پہنچا۔ قندوز میں قیام کے دوران بھی اس نے اندازہ لگالیا کہ ازبک ٹڈی دل کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ہر صورت میں اس کا خاتمہ کرنے کے درپہ ہیں لہٰذا جب اس نے اندازہ لگایا کہ اپنے علاقوں میں کہیں بھی ازبک اسے ٹکنے نہیں دیں گے تب وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور کوہ ہندوکش کو عبور کرنے کے بعد اس نے کابل کا رخ کیا۔ 1515ء سے لے کر 1518ء تک بابر نے انتہائی خاموشی اور ایک طرح سے گمنامی کی زندگی بسر کی تاہم اس دوران نہ اس نے شمالی علاقوں کی طرف کوئی یلغار کی نہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے متعلق سوچا اس ساری مدت میں وہ کابل اور غزنی کے آزاد قبائل کو آداب اطاعت سکھاتا تھا بلاشبہ یہ بات اس لئے بھی اس کے لئے بہت ضرورت تھی کہ وہ قریبی دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے سب سے پہلے ان علاقوں میں استحکام پیدا کرتا جو اس کے قبضہ میں تھے اس کے بعد پھر کسی بڑی مہم کی طرف توجہ دیتا۔ اس طرح بابر نے دن رات ایک کر کے غزنی، کابل اور آس پاس کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر وہاں اپنی حالت کو مضبوط اور مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔

ظہیر الدین بابر نے افغانستان میں اپنی حالت کو مضبوط کرنے کے بعد پھر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ مؤرخین کے مطابق بابر نے ہندوستان پر پانچ بار حملہ کیا لیکن بعض مغربی مؤرخین کہتے ہیں کہ پانچ کی بجائے بابر نے چار بار ہندوستان پر حملہ کیا۔

خود بابر نے اپنی سوانح حیات لکھتے ہوئے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنی پانچ مہمات کا اشارہ کیا بابر خود بتاتا ہے کہ 1505ء میں کابل کی فتح کے بعد اس کے دل میں ہندوستان پر اپنا پرچم لہرانے کی خواہش روز افزوں رہی لیکن متعدد وجوہات کی بناء پر 1519ء تک اس کے لئے اس سلسلے میں کوئی بھی اقدام ممکن نہ تھا۔

بہرحال یہ بات بالکل واضح ہے کہ 1519ء کے شروع میں بابر نے باجوڑ اور بھیرہ پر اپنے حملے کو پہلا حملہ قرار دیا۔ اس نے اپنے بیٹے ہندو بیگ کو بھیرہ کا گورنر مقرر کیا اور خود کابل لوٹ گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں ہندو بیگ

کے خلاف بغاوت ہوئی اور بھیرہ کا قبضہ جاتا رہا۔ بابر نے وہاں کے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے یوسف زئی قبائل سے اتحاد قائم کیا تھا اور ان کے سردار کی لڑکی کے ساتھ شادی بھی کر لی تھی۔

دریائے جہلم کے کنارے بھیرہ شہر کے کامیاب محاصرہ کے فوراً بعد بابر کو کامیابی حاصل ہوئی تاہم اس نے اپنے لشکر کو مقامی آبادیوں سے حسن سلوک کا حکم دیا یوں عوام کے جان و مال کی مکمل حفاظت کی گئی اس طرح کسی حد تک بابر مقامی لوگوں میں مقبول بھی ہوا۔

بابر اپنی سوانح حیات میں ہندوستان کے خلاف مہمات کے سلسلے میں کچھ یوں لکھتا ہے۔

"اس وقت سے اب تک ہم نے ہندوستان پر پانچ بار فوج کشی کی اور اس مقصد کے لئے محنت شاقہ سے کام لیا حتیٰ کہ پانچویں بار ہمیں ہندوستان پر قبضہ حاصل کرنے اور فتح مند ہونے میں کامیابی حاصل ہوئی۔"

اس سے قبل جنوری 1505ء میں بابر نے ملتان، کوہاٹ اور تربنیل کے علاقوں پر قبضہ کیا تھا۔ لیکن اسی سال مئی میں وہ دریائے سندھ عبور کئے بغیر واپس چلا گیا تھا۔ اس طرح ستمبر 1507ء میں اسے مدراوڑ کے مقام پر اپنے سرداروں اور اپنے سالاروں کے درمیان اختلافات کے باعث واپس کابل کی طرف جانا پڑا تھا۔ بابر نے خود 1505ء اور 1507ء کی اپنی دو مہمات میں سے کسی کو اپنی پہلی یا دوسری مہم جوئی کے طور پر شامل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان پر اس کے حملہ آور ہونے کی ایک اور مہم 1519ء میں بھی ہوئی اس مہم

کے دوران وہ پشاور تک آ پہنچا تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ انہی دنوں بدخشاں شہر میں اس کے خلاف ہنگامے اٹھ کھڑے ہوئے جن کی بناء پر اسے واپس جانا پڑا تھا۔

1520ء میں اس نے ہندوستان پر تیسری بار حملہ کیا اور بھیرہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد وہ سیالکوٹ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے بڑھا اور باآسانی اس پر قبضہ کر لیا اس کے بعد سید پور کے مقام پر اسے مقامی طاقت کا سامنا کرنا پڑا گو بابر نے سید پور کی مہم پر بھی قابو پا لیا تھا۔ لیکن ابھی تک شاید اس کی بدقسمتی نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے کہ اس کی غیر موجودگی میں اچانک قندھار میں اس کے خلاف بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اسے جب اس بغاوت کا علم ہوا تو وہ الٹے پاؤں ہندوستان سے نکل کر قندھار کی طرف چلا گیا۔

کہتے ہیں 1524ء میں بابر نے ہندوستان پر چوتھی بار لشکر کشی کی اس بار پنجاب کے حاکم دولت خان لودھی نے اسے حملہ آور ہونے کی دعوت دی تھی۔ کیونکہ دلی کے سلطان ابراہیم لودھی کے ساتھ اس کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔

پنجاب کے دولت خان لودھی کی طرف سے بابر کو حملہ کی دعوت کے باعث ہی ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے قیام میں سہولتیں میسر آئیں۔ دولت خان لودھی نے بابر کو یہ دعوت ابراہیم لودھی کے بدترین رویے کی وجہ سے دی تھی۔

دولت خان لودھی کے علاوہ ہندوستان میں ابراہیم لودھی کے خلاف اور

بہت سے دشمن اور مخالفین بھی پیدا ہو چکے تھے۔ اس کی حکومت کے بیشتر حصوں میں بغاوت ہو چکی تھی اس کے تمام رشتے دار اس کے خلاف تھے لیکن اس کے بدترین دشمنوں میں سرفہرست پنجاب کا حکمران دولت خان اور خود ابراہیم لودھی کا چچا عالم خان تھے۔ عالم خان نے تو گجرات کے سلطان مظفر کے پاس جا کر پناہ لے لی تھی اور ابراہیم لودھی کے خلاف کارروائی میں مصروف تھا۔ ابراہیم لودھی کے خلاف اس کے مختلف صوبوں کے والیوں کی مخالفت بھی تھی۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ گوالیار فتح کرنے کے بعد دہلی کے بادشاہ ابراہیم لودھی جوانی کے غرور اور فتح کے نشے میں بدمزاج ہو گیا تھا اور بغیر کسی وجہ کے ایک دم ان امراء کے خلاف ہو گیا جو اس کے باپ کے دور سے ان کی خدمت کر رہے تھے ان سے بدسلوکی سے پیش آتا چھوٹی چھوٹی باتوں پر انہیں سزائیں دینے لگا۔ جس کے باعث سالار اور سرکردہ لوگ اس سے بدظن ہونے لگے اس پر اس نے بعض کو قید میں ڈال دیا اور بعض کو بڑی سزائیں دیں۔ اس کے چند بہترین سالار جن میں میا، بہوہ، حسین محمد میاں معروف و اسلام خان اور اس کا چچا عالم خان شامل تھے، اس کے مخالف ہو گئے۔

حالانکہ ابراہیم لودھی کے باپ سکندر لودھی کے دور میں انہوں نے اعلیٰ خدمات انجام دی تھیں جہاں تک میا بہوہ کا تعلق ہے تو اس نے لگ بھگ 28 سال تک ابراہیم لودھی کے باپ سکندر لودھی کی سلطنت میں بااختیار وزیر کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں۔ اسی میاں بہوہ کو بدمزاج ابراہیم لودھی نے زنجیروں میں جکڑ کر ملک آدم کاکڑ کے سپرد کر دیا۔ اس نے بعض حاسدوں کے

کہنے پر اس کے اور بعض دیگر امراء کے لئے ایک ایسا ایوان تیار کروایا کہ جس کے نیچے ایک تہہ خانہ بنایا گیا تھا۔

دو مہینوں کے بعد جب یہ تہہ خانہ خشک ہو گیا تو اسے پوشیدہ طور پر بارود کی تھیلیوں سے بھر دیا گیا اس کے بعد اس بدبخت ابراہیم لودھی نے میا بہوہ اور دیگر امراء کو جو اس کے خلاف ہو گئے تھے اور جن کو وہ ٹھکانے لگانا چاہتا تھا قید سے رہا کر دیا اور انہیں خلعت عطا کر کے ان کی دلجوئی کی انعامات وعنایات سے خوش کر دیا تا کہ ان کے دل سے خوف دور ہو جائے۔

ایک دن ان سب کو طلب کر کے کہنے لگا۔

"میرے بہت سے سالاروں نے میرے خلاف بغاوت کر دی ہے حالانکہ میرے باپ نے انہیں خاک سے اٹھایا اور پروان چڑھایا یہ جو عمارت میں نے نئی بنائی ہے آپ لوگ اس میں تشریف رکھیں۔ سوچ بچار کے بعد مجھے مشورہ دیں کہ جو امراء بغاوت کر رہے ہیں ان کے خلاف مجھے کیا تدبیر کرنی چاہیئے؟ آپ لوگ جو مجھے قیمتی رائے دیں گے میں اسی پر عمل کروں گا۔"

وہ سارے امراء بچارے اس کی باتوں میں آ گئے اور اس نئی تعمیر کردہ عمارت کے تہہ خانے میں بیٹھ کر آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئے ابھی انہوں نے گفتگو ہی شروع کی تھی کہ ناگاہ ایک آتشیں شعلہ بلند ہوا بارود نے اپنا کام کیا میا بہوہ اور اس کے دیگر امراء اور سالار جو برس ہا برس سے لودھیوں کی خدمت کر رہے تھے درختوں کے پتوں کی طرح ہوا میں اڑ کر ختم ہو گئے۔

بڑے بڑے سالاروں کو یکے بعد دیگرے ختم کر کے کچھ کو کڑی سزائیں

دے کر آخر ابراہیم لودھی نے لاہور کے اپنے حاکم دولت خان لودھی کو طلب کیا جو گزشتہ بیس برس سے پنجاب میں کامیابی کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔

دولت خان جانتا تھا کہ ابراہیم لودھی انتقام پر اترا ہوا ہے اور ایک کے بعد دوسرے کو بلاتے ہوئے اپنے باپ کے وقت کے سالاروں اور وزراء کا خاتمہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ حالانکہ دولت خان ابراہیم لودھی کا قریبی رشتہ دار تھا اس کا چچازاد بھائی تھا۔ اس نے جان لیا کہ دوسرے سالاروں اور امراء کی طرح ابراہیم لودھی میرا بھی خاتمہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا جب ابراہیم لودھی نے اسے بلایا تو اس نے خود تو بیماری کا بہانہ کر دیا لیکن اس کے حکم کے اتباع کے طور پر اپنے بیٹے دلاور خان کو ابراہیم کے پاس دہلی بھجوا دیا۔

دولت خان کا بیٹا دلاور خان جب ابراہیم لودھی کے پاس دہلی پہنچا تو ابراہیم لودھی نے پوچھا۔ "تمہارا باپ کیوں نہیں آیا؟"

اس نے عرض کیا۔ "اسے بیماری لاحق ہوگئی ہے جس کی وجہ سے وہ نہیں آیا۔"

ابراہیم نے کہا۔ "اگر مستقبل قریب میں تمہارا باپ نہیں آئے گا تو دوسرے امراء کی طرح مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔"

اس کے بعد ابراہیم نے حکم دیا کہ اسے قید خانے میں لے جا کر وہ جگہ دکھائیں جہاں میں نے اس سے پہلے اپنے بڑے بڑے امراء اور سالاروں کو دیوار میں چنوا دیا تھا۔ اسے بتائیں کہ اس سے پہلے نافرمانوں کا کیا انجام ہوا۔

دلاور خان کو جب وہاں لے جایا گیا تو پہلے امراء کا حال دیکھ کر وہ لرز اٹھا۔

اس کے دماغ سے دھواں نکلنے لگا۔ جب اسے پھر ابراہیم لودھی کے پاس لایا گیا تو ابراہیم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جنہوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی ان کا حال تم نے دیکھ لیا۔" اگر تم باپ بیٹا ایسا کرو گے تو تم دونوں کا انجام اس سے مختلف نہ ہوگا۔"

دلاور خان نے جب دیکھا کہ ابراہیم لودھی کے قہر و غضب سے رہائی کی کوئی صورت نہیں تو دہلی سے بھاگ نکلا اور چھ دنوں کے اندر مارا مار پھر ہوا اپنے باپ کے پاس لاہور پہنچا اور اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

ساتھ ہی اس نے اپنے باپ کو یہ مشورہ دیا کہ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنی فکر کرو۔ ورنہ ابراہیم لودھی تمہیں ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک کر دینے کا تہیہ کر چکا ہے۔ اس موقع پر دولت خان عجیب سے کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر میں بغاوت کرتا ہوں تو نمک حرامی کی تہمت لگتی ہے اور سلطان کے پنجہ قہر میں گرفتار ہو جاتا ہوں تو جان نہیں بچتی۔"

آخر دونوں باپ بیٹے نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ اس سلسلے میں افغانستان کے بادشاہ بابر سے مدد لینی چاہیئے۔ لہٰذا دولت خان نے اپنے بیٹے دلاور خان کو کابل میں بابر کی طرف روانہ کیا۔

تاکہ سفاک اور جابر ابراہیم لودھی کے خلاف بابر سے مدد کی درخواست کرے۔

دلاور خان جب کابل پہنچا تو بابر کے امراء نے اس کے آمد سے بابر کو مطلع

کیا۔ بابر نے فوراً دلاور کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ دلاور خان جب بابر کے سامنے پیش ہوا تو بابر نے اس سے پہلا سوال یہ کیا۔

"تم لوگ کئی سالوں سے سلطان ابراہیم لودھی اور اس کے باپ دادا کا نمک خوار ہے ہو اور بیس سال سے پنجاب جیسے علاقے میں صاحب اختیار چلے آ رہے ہو۔ اب یکبارگی کیا ہو گیا ہے؟ کہ اس سے ناراض ہو کر اس کے خلاف مدد کے لئے میرے پاس چلے آئے ہو۔"

دلاور خان نے عرض کیا!

"گزشتہ چالیس سال سے میرے باپ دادا اس کے اور اس کے باپ کے لئے جانثاری کرتے آئے ہیں انہوں نے اس کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کردی ہے۔ اب سلطان ابراہیم اپنے باپ کے امراء سے بدسلوکی کر رہا ہے اب تک وہ اپنی سلطنت کے 23 بڑے بڑے امراء کو جو سلطنت کے ستون اور بنیاد خیال کئے جاتے تھے۔ بے گناہ قتل کر چکا ہے۔ بعض کو وہ دیواروں میں چنوا چکا ہے اور بعض کو آگ میں جلا چکا ہے۔ جو امراء اور سرکردہ سالار زندہ ہیں وہ دعائیں مانگ رہے ہیں کہ کوئی بیرونی طاقت حملہ آور ہو اور انہیں ابراہیم لودھی کے مظالم سے نجات دلائے۔" اور اسی سلسلے میں، میں حاضر ہوا ہوں۔"

دلاور خان نے یہ بھی بتایا کہ اسے اس کے باپ دولت خان نے جو پنجاب کا حاکم ہے ابراہیم لودھی کے خلاف آپ کی مدد حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا۔

بابر نے فی الفور دلاور خان کو کوئی جواب نہیں دیا اسے اپنے پاس قیام

کرنے کے لئے کہا اس لئے کہ بابر ان دنوں اپنے بیٹے میرزا کامران کی شادی کی تیاری میں مصروف تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس شادی کے بعد ایک روز رات کے پچھلے پہر بابر دو رکعت نماز خداوند کارساز کے حضور ادا کرنے کے بعد دعا کے لئے اپنے ہاتھ بلند کر کے کہنے لگا۔

"اے خدائے کارساز! اگر ہندوستان کی حکومت میرے اور میری اولاد کے نصیب میں ہے تو ہندوستان سے پان اور آم دولت خان کی طرف سے بطور سوغات میرے پاس کابل میں آئیں۔"

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ حسن اتفاق ایسا ہوا کہ وہ موسم بھی آموں کا تھا اور پنجاب کے حاکم دولت خان نے اپنے بیٹے دلاور خان کو بابر کی طرف بھجوانے کے بعد اپنے ایک اور سالار احمد خان کو بابر کی طرف روانہ کیا اور اس کے ہاتھ اس نے بابر کے لئے پان اور نیم پختہ آم کورے برتنوں میں رکھ کر بابر کے لئے بھجوائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب یہ دونوں چیزیں کابل میں بابر کے پاس پہنچیں تو بابر اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا اسی وقت زمین پر سجدہ ریز ہوا اور بڑی عاجزی اور انکساری سے خداوند کی درگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"خدائے سبحان تعالیٰ نے مجھے ہندوستان کی سلطنت بخش دی ہے اور وہ دیر تک میری اولاد میں برقرار رہے گی۔"

اس طرح بابر نے دولت خان کے بیٹے دلاور خان اور احمد خان کو گھوڑوں

کے علاوہ خلعت عطا کئے اس کے بعد دولت خان کے لئے دس بہترین عراقی گھوڑے، نفیس پارچہ جات احمد خان اور دولت خان کے ہاتھ روانہ کر دیئے اب اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہندوستان پر فیصلہ کن حملہ کرے گا۔

دوسری طرف پنجاب کے حکمران دولت خان لودھی کو برابر یہ خبریں موصول ہونے لگیں کہ ابراہیم لودھی اسے لاہور کی گورنری سے معزول کرنا چاہتا ہے چنانچہ دولت خان نے ابراہیم لودھی کے اس فیصلے کو ناکام بنانے کے لئے اپنی طرف سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں لیکن اس کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ اپنی کمزور طاقت کے باعث ابراہیم لودھی کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ بڑی بے چینی سے بابر کے حرکت میں آنے کا انتظار کرنے لگا تھا وہ یہ امید لگا بیٹھا تھا کہ ابراہیم لودھی کے خلاف اس کی مدد کے لئے بابر تیار ہو جائے تو پھر ابراہیم کی بجائے دولت خان بابر کی برتری تسلیم کرے گا اور اسے یہ بھی امید تھی کہ بابر اسے لاہور کی حکومت پر بحال رکھے گا انہی دنوں ایک اور تبدیلی بھی رونما ہو رہی تھی وہ یہ کہ ابراہیم لودھی کا چچا عالم خان جو ابراہیم لودھی سے ناراض تھا گجرات کی طرف چلا گیا تھا وہ بھی انہی دنوں کابل میں ظہیرالدین بابر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بابر سے التماس کی کہ اس کا بھتیجا ابراہیم لودھی ایک انتہاء درجہ کا ظالم ستم گر انسان ہے لوگ اس سے نالاں اور ناخوش ہیں لہٰذا ابراہیم لودھی کی بجائے وہ خود دہلی کی سلطنت کا حکمران بننا چاہتا ہے اس نے ظہیرالدین بابر سے یہ بھی التجاء کی کہ وہ اسے دہلی کی سلطنت کا سربراہ بننے میں مدد دے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ بابر کے سامنے دو بڑی قوتیں آ گئی تھیں ایک دولت خان مستقل طور پر پنجاب کی حکومت اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا تھا دوسرا ابراہیم لودھی کا چچا عالم خان جو دہلی کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ جبکہ ان دونوں کے برخلاف ظہیرالدین بابر کے ارادے کچھ اور ہی تھے۔

دولت خان کے بیٹے دلاور خان اور ابراہیم لودھی کے چچا عالم خان کی روانگی کے بعد بابر نے ہندوستان میں داخل ہو کر اپنی کارروائیوں کا ایک پورا لائحہ عمل تیار کر لیا تھا۔

اس کا ارادہ تھا کہ کابل سے نکل کر وہ مانوس سایہ دار پشاور سے چل کر بالائی دریائے سندھ کو عبور کرے گا پھر کوہستانی نمک سے گزر کر پنجاب کی سرزمینوں پر چھاتا چلا جائے گا۔ دلکش وادی کے کنارے پنجاب کے صدر مقام لاہور پر قبضہ کر کے پنجاب پر اپنا تسلط مضبوطی سے قائم کر کے اسے سلطنت کابل میں شامل کرے گا۔

بابر کے مفتوحہ فلک کی قدرتی سرحدیں جنوب میں تھر اور شمال میں ہمالیہ اور ہندوکش کے کوہستانی سلسلے تھے۔ اسے پنجاب کو زیرنگیں لانے میں ایک منزل آگے دہلی کے طاقتور بدشاہ سے کوئی نہ کوئی تصفیہ ضرور کرنا پڑے گا۔

اس سے پہلے اپنی جوانی کے دور میں وہ بہت تجربات حاصل کر چکا تھا۔ اس نے دیکھ بھی لیا تھا کہ جب تک سمرقند پر قبضہ نہ ہو فرغانہ کی مفتوحہ سرزمینوں پر اس کا قبضہ مستحکم نہ رہ سکتا تھا۔ یہاں بھی اس نے خیال کیا کہ جب تک وہ دہلی کو زیر نہیں کرے گا اس وقت تک ہندوستان میں اس کی سلطنت مضبوط نہ رہے

گی۔ لہٰذا اس نے دہلی میں ابراہیم لودھی کی حکومت کو بھی معطل کر دینے کی ٹھان لی تھی۔ اس نے یہ بھی ارادہ کر رکھا تھا کہ پنجاب کے خطے کو زیر اثر لا کر لاہور کو دوسرا کابل بناؤں گا تا کہ گنگا کی بالائی وادیوں سے لے کر آموں کے مشرقی حصے میں بدخشاں تک اس کا حکم چلتا رہے اور نیچے تپتے ریگستان اور اوپر وسط ایشیاء کے بلند کوہستانی سلسلے اس کے پاسبان بن کر رہیں۔

یہ سارا پروگرام اور لائحہ عمل بابر نے اپنے من میں طے کر رکھا تھا اور اسے راز ہی رکھا تھا اپنے اس ارادے کو بابر نے اپنے سپہ سالاروں حتیٰ کہ اپنے بڑے بیٹے اور بھائیوں کو بھی نہ بتایا تھا وہ چاہتا تھا کہ جب تک اس کی فتوحات پکی نہ ہو جائیں اور وہ دریائے سندھ کے اس پار فتوحات کا سلسلہ قائم کر کے وہاں قیام نہ کرے اپنے کسی بھی ساتھی کو اپنا لائحہ عمل نہیں بتائے گا۔ وہ یہ بھی ارادہ کر چکا تھا کہ ایک بار وہ ہندوستان کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ جم کر حکومت کرے گا اور پلٹ کر کابل نہیں جائے گا۔

دسمبر 1525ء کے انتہائی ناخوشگوار اور سرترین موسم میں بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے کوچ کیا اور ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ سب سے پہلے وہ بگرام یعنی پشاور پہنچا۔ یہاں لشکریوں کا پڑاؤ کر کے لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ اس کے بعد دریائے کابل کے کنارے کنارے اس نے مشرق کا رخ کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں۔

"یہاں راستے میں اس نے چند گینڈوں کا بھی شکار کیا، ایک گینڈا انہوں نے پکڑا اور بابر چاہتا تھا کہ گینڈے اور ہاتھی کی لڑائی کا نظارہ کرے۔ کہتے ہیں گینڈا پہلے تو ہاتھی پر حملہ آور ہونے کے لئے اس کی طرف بڑھا لیکن جب مہاوتوں نے ہاتھی کو آگے بڑھایا تو گینڈا ہاتھی کے سامنے سے ہٹ کر بھاگ گیا۔" اس سے مؤرخین یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس زمانے میں ان علاقوں کے اندر گینڈوں کے علاوہ اور بھی جنگلی جانور تھے۔

پشاور سے کوچ کرنے سے پہلے بابر نے اپنے چند لشکریوں کو مقرر کر دیا تھا کہ وہ دریائے سندھ کے کنارے کشتیوں کا پل بنائیں ساتھ ہی جب لشکر دریائے سندھ کو عبور کرے تو گنتی کرتے جائیں کہ کتنے آدمیوں نے بابر کے ساتھ دریا کو عبور کیا ہے۔

لہٰذا دریائے کابل کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے بابر آخر دریائے سندھ کے کنارے آیا۔ اس وقت تک اس کے لشکریوں نے دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل تعمیر کر دیا تھا۔

کہتے ہیں ہفتہ کے روز بابر نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور دوسرے کنارے پر اترا۔ جن لوگوں کو اس نے دریا عبور کرنے کے بعد اپنے لشکریوں کو شمار کرنے پر مقرر کیا تھا انہوں نے بابر کو اطلاع دی کہ لشکر میں چھوٹے بڑے لشکری اور نوکر سب ملا کر 12 ہزار تھے۔

اب بابر اپنے لشکر کے ساتھ پنجاب میں داخل ہو چکا تھا کہتے ہیں اس سال میدانی علاقوں میں کم اور کوہستانی سلسلوں کے قریب قریب بارشیں اچھی خاصی ہوتی تھیں لہٰذا بابر اور اس کے لشکریوں کو گھوڑوں کے لئے اچھی خاصی مقدار میں گھاس مل گئی تھی۔ بابر اب اس شاہراہ پر سفر کر رہا تھا جو سیالکوٹ کی طرف جاتی تھی۔ گکھڑوں کے علاقے سے گزرتے ہوئے بابر کو راستے میں کئی ندیوں و نالوں کو عبور کرنا پڑا اسے ایسے بہت سے جوہڑ بھی دکھائی دیئے جن کا پانی لگ بھگ ایک ہاتھ تک منجمد ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ اس سال سردی انتہاء کی پڑی تھی بابر کا کہنا تھا کہ ”جتنی سردی اس سال پڑی اس کے بعد میں نے ہندوستان

میں کبھی اتنی سردی نہ دیکھی تھی۔“

اب بابر اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے آیا۔ دریا کو اس نے پایاب جگہ سے عبور کیا اور آگے بڑھا۔

جن دنوں بابر اپنے لشکر کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوا ان دنوں دہلی کا سلطان ابراہیم لودھی آگرہ میں قیام کئے ہوئے تھا۔ اسے جب بابر کے آنے کی خبر ملی اور پتہ چلا کہ بابر پنجاب میں داخل ہو چکا ہے تو بڑا حیران اور پریشان ہوا اب وہ بڑا پشیمان ہوا کہ اس نے کیوں اپنے بڑے بڑے اور سرکردہ سالاروں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر اب تاسف کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ کیونکہ پانی تو سر سے گزرتا جا رہا تھا اب بابر جیسا جفاکش اور دلیر اس کی سرزمینوں میں داخل ہو کر فتوحات کا سلسلہ پھیلانے کے درپے تھا۔

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ابراہیم لودھی نے تیز رفتار قاصد لاہور کے حاکم دولت خان کی طرف بھجوائے اور اسے کہلا بھیجا۔

”تو میرے باپ کی مہربانی سے موجودہ درجہ کو پہنچا۔ تو بیس سال تک پنجاب کا حکمران رہا یہ تو نے کیا کیا کہ میرے موروثی ملک میں تو مغلوں کو لے آیا اور افغانوں کی ناموس کا پردہ اپنے ہاتھوں سے چاک کیا۔ خیر اب میں ماضی کی ساری تلخیوں اور زیادتیوں کو فراموش کرتا ہوں اور تجھ سے صلح کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ تیرے اور تیرے بیٹوں کے حق میں بدسلوکی کا خیال تک دل میں نہیں لاؤں گا۔ کلام ربانی کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے عہد پر قائم رہوں گا۔ ذرا سوچ اور خیال خام کو دل میں جگہ نہ دے۔“

ابراہیم لودھی کے اس پیغام کے جواب میں دولت خان نے اسے کہلا بھیجا۔

"بے شک میں تیرے باپ سکندر لودھی کا پروردہ ہوں اسی نے مجھے خاک سے اٹھایا اور مجھ پر نوازشیں کیں۔ میری بھی ساری عمر اس کی خیر خواہی میں کٹی۔ وہ اپنے امراء کا کس قدر خیال رکھتا تھا اور ان کی کس قدر دلجوئی کرتا تھا یہ تو بھی جانتا ہے اس نے کبھی کسی صورت میں کوشش نہ کی کہ امراء کو ہلاک کرے۔ مگر تم نے تو جوانی کے باعث دو تین کوتاہ اندیشوں کے بہکانے سے اپنی سلطنت کی بنیاد خود کھود ڈالی اور اپنے باپ کے کتنے ہی امراء اور سالاروں کو جو تمہاری سلطنت کے ستون تھے ہلاک کر ڈالا حتیٰ کہ دوسروں کو بھی تجھ پر اعتبار نہ رہا۔ ابراہیم لودھی! مغلوں کو میں نہیں لایا بلکہ تیرے ناپسندیدہ افعال لائے ہیں۔"

دولت خان کی طرف سے یہ جواب ملنے کے بعد ابراہیم لودھی نے دولت خان کو لاہور کی گورنری سے محروم کرنے کی غرض سے ایک لشکر روانہ کیا اور اس لشکر کا سالار اس نے اپنے ایک سالار بہار خان کو مقرر کیا۔

ابراہیم لودھی کا یہ لشکر جب لاہور کے قریب پہنچا تو اس وقت تک بابر کے لشکر کا ایک حصہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ دولت خان کی بجائے ابراہیم لودھی کے اس لشکر کا ٹکراؤ بابر کے لشکر سے ہو گیا جس نے ابراہیم لودھی کے سالار بہار خان کو بدترین شکست دی اور وہ دہلی کی طرف بھاگ گیا۔

اس شکست کے بعد بابر اور اس کے لشکریوں کے حوصلے بڑھ گئے بابر

آگے بڑھا۔ اب لاہور پر ایک طرح سے اس کی حکومت تھی۔

بابر نے دشمن کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً دیپال پور پر حملہ کر کے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ دیپال پور ہی میں دولت خان اور اس کے دونوں بیٹے غازی خان اور دلاور خان بابر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دولت خان تو یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد ہندوستان کی سلطنت پر قبضہ کر کے بابر اسے پنجاب کی حکومت پر بحال رکھے گا لیکن بابر نے ایسا نہیں کیا۔

بابر نے دولت خان کو لاہور کا قبضہ دینے کی بجائے اسے جالندھر اور سلطان پور میں اپنا نائب مقرر کر دیا۔ بابر کے اس اقدام کے باعث دولت خان کی دلشکنی ہوئی اور اس نے لاہور پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے روپوشی اختیار کر لی تا کہ اپنی قوت مجتمع کر کے دوبارہ لاہور کا قبضہ حاصل کر سکے۔ اس کا بیٹا غازی خان بھی اس کا ہم خیال تھا وہ بھی اس کے ساتھ روپوش ہو گیا لیکن اس کے دوسرے بیٹے دلاور خان نے اپنے باپ اور بھائی دونوں سے اختلاف کیا۔ وہ بابر کا وفادار رہا اور جالندھر اور سلطان پور کی حاکمیت اس نے قبول کر لی۔ بابر نے اسے خانخاناں کا لقب عطا کیا۔

ادھر ابراہیم لودھی کا چچا عالم خان لودھی ابھی دلی کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر وہ بھی بابر کی خدمت میں حاضر ہوا اور بابر کو پیش کش کی کہ اگر وہ دلی کا تخت و تاج حاصل کرنے میں عالم خان کی مدد کرے تو عالم خان لاہور تک کا علاقہ اس کے سپرد کر دے گا۔ آگے کی حکمرانی بابر عالم خان کے لئے رہنے دے۔

گو بابر ایسا نہیں چاہتا تھا لیکن بابر کے لئے یہ پیش کش اس لئے دلکش تھی کہ یوں اسے کم از کم لاہور تک علاقے پر قانونی حق حاصل ہو سکتا تھا۔ جو اس نے بزور شمشیر حاصل کیا تھا۔

بابر بذات خود اس مہم میں شامل نہ ہو سکا اس لئے کہ انہی دنوں اسے خبر ملی کہ اس کے دشمن ازبکوں نے بلخ شہر کا محاصرہ کر لیا تھا اس بناء پر بابر نے تو واپس بلخ جا کر ازبکوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کر لیا اور روانگی سے پہلے اس نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ دہلی پر حملہ کی صورت میں مکمل طور پر عالم خان کی مدد کریں۔

اب بابر کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک لشکر کو لے کر وہ بلخ کی طرف چلا گیا تھا دوسرا حصہ ہندوستان ہی میں مقیم رہا گو بلخ پر ان دنوں ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کی حکومت تھی لیکن بابر کے لئے بھی اس علاقے کی اہمیت کچھ کم نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ علاقہ اس کے شمالی علاقوں سے ملتا تھا۔ بابر نے ویسے بھی اپنے ایرانی اتحاد شاہ اسماعیل کی مدد کا فیصلہ کر لیا اس لئے کہ ماضی میں اسماعیل صفوی اس کی مدد کرتا رہا تھا۔

بابر کے بلخ کی طرف چلے جانے سے عالم خان بھی بڑا خوش ہوا وہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر اس نے بابر کو براہ راست مدد سے اپنے بھتیجے ابراہیم لودھی کے خلاف کارروائی کی تو عین ممکن ہے بابر ناسازگار حالات کی صورت میں اپنا لشکر واپس بلا لے اور وہ ابراہیم لودھی کے مقابلے میں تنہا رہ جائے۔

دوسری طرف جونہی بابر لشکر کے ایک حصے کے ساتھ ہندوستان سے نکلا اور بلخ روانہ ہوا دولت خان جو روپوشی اختیار کر چکا تھا۔ وہ بھی اپنے بیٹے غازی

خان کے ساتھ باہر نکل آیا اور اس نے عالم خان سے مل کر اسے پیشکش کی کہ دونوں مل کر دہلی پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور دہلی کو ابراہیم لودھی کے چنگل سے نکالنے کے بعد عالم خان دہلی کی سلطنت کا بادشاہ بن جائے گا جبکہ حسب سابق دولت خان پنجاب کا حکمران رہے گا۔

ان حالات میں یہ فیصلہ ہوا کہ دولت خان اور اس کا لڑکا غازی خان لشکر کے ایک حصے کے ساتھ پنجاب کو اپنی گرفت میں کر لیں جبکہ اس کے دوسرے دو لڑکے دلاور خان اور حاجی خان دلی پر حملہ آور ہونے کے لئے عالم خان کا ساتھ دیں گے۔ اس طرح بہ یک وقت عالم خان اور دولت خان نے دہلی اور لاہور پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور اور وہ یہ چاہتے تھے کہ ابراہیم لودھی کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد بابر کو بھی ہندوستان سے نکال کر باہر کیا جائے گا۔ ان حالات کے تحت وہ لشکر لے کر دہلی کی طرف بڑھے لیکن ان کی بدقسمتی کہ دہلی کے قریب ابراہیم لودھی اپنا لشکر لے کر ان کے سامنے آیا۔ دونوں لشکریوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی اور اس جنگ میں ابراہیم لودھی نے عالم خان اور اس کے حواریوں کو بدترین شکست دی اور یہ شکست اٹھا کر عالم خان بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح عالم خان اور دولت خان کی ابراہیم لودھی اور بابر کے خلاف سازش ناکام ہو گئی تھی۔

دوسری طرف بابر نے بلخ کی بغاوت دبانے کے بعد اپنے بیٹے کامران میرزا کو کابل اور قندھار کی حاکمیت دینے کے بعد ایک بار پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ بابر سب سے پہلے سیالکوٹ پہنچا اس لئے کہ اس کا وہ لشکر جو ہندوستان میں تھا اس وقت سیالکوٹ میں قیام کئے ہوئے تھا اور یہاں پہنچ کر اسے عالم خان کی ابراہیم لودھی کے ہاتھوں شکست کی اطلاع ملی دوسری طرف دولت خان اور اس کا لڑکا غازی خان بابر کی آمد کا سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے لاہور کے شمال میں ملوٹ نام کے ایک قلعے میں پناہ لے لی۔

اب بابر پوری طاقت وقوت کے ساتھ ہندوستان میں اپنے مخالفوں کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا تھا۔ سیالکوٹ سے اس نے کوچ کیا اور جس قلعے میں دولت خان اور اس کے بیٹے غازی خان نے پناہ لی تھی اس قلعے کا اس نے محاصرہ کرلیا۔

دولت خان اور اس کے بیٹے غازی خان نے جب دیکھا کہ قلعہ کا محاصرہ بابر نے بڑی سختی سے کیا ہے اور وہ حملہ آور ہوتے ہوئے ہر صورت میں قلعے کو فتح

کرے گا۔ اسے جب بابر سے بچنے کی کوئی امید نہ رہے گی تو وہ ہتھیار ڈال دے گا اس دوران تک بابر کا بڑا بیٹا ہمایوں بھی ایک اچھا خاصہ بڑا لشکر لے کر بدخشاں سے آن پہنچا تھا۔ اس طرح بابر کی طاقت وقوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

یہ خبریں سن کر دولت خان نے قلعے سے نکل بھاگا۔ وہ بھیرہ شہر کی طرف بھاگا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ راستے ہی میں دم توڑ گیا۔

باقی باقی ابراہیم لودھی کا چچا عالم خان رہ گیا تھا وہ بھی ابراہیم لودھی کے ہاتھوں شکست کھا کر بددل ہو چکا تھا لہٰذا عالم خان ایک بار پھر بابر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے مدد چاہی اس وقت اس کے ساتھ چھوٹا سا ایک شکست خوردہ لشکر تھا۔ وہ سب پیدل تھے اور ان کی حالت بھی بڑی خراب تھی۔

جس وقت عالم خان بابر کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت بابر لاہور کے نواحی علاقے میں اپنی طاقت کو مجتمع کرتے ہوئے تمام تر توجہ دہلی پر مبذول کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس موقع پر وہ عالم خان کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے عالم خان کو اعزازات سے نوازا اور اسے پانی پت اور کچھ دوسری مہمات کا سالار مقرر کیا۔

اب ابراہیم لودھی کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔ جس وقت بابر بلخ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے واپس چلا گیا تھا اس وقت ابراہیم لودھی کو یہ امید ہو گئی تھی کہ وہ مغلوں کے حملوں سے بچ جائے گا لیکن اب بابر دوبارہ واپس آ گیا تھا۔ تب ابراہیم لودھی نے اپنے لشکر کا ایک کافی بڑا حصہ علیحدہ کیا اور اس حصے کو اپنے ایک سالار حامد خان کی سرکردگی میں دیا اور اسے بابر پر حملہ آور ہونے کے

لئے روانہ کیا۔

ابراہیم لودھی کا یہ لشکر جمنا کے دائیں کنارے اور جنوب مغرب کی طرف حصار فروزاں کے رخ پر حامد خان کی قیادت میں پیش قدمی کررہا تھا۔ بابر کو جب اس لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو روانہ کیا۔ ہمایوں اس شدت اس جرأت مندی اور اس بے باکی سے ابراہیم لودھی کے اس لشکر سے ٹکرایا کہ اس نے ابراہیم لودھی کے اس لشکر کو بدترین اور عبرتناک شکست دی اس طرح ابراہیم کے اس لشکر کے بڑے حصے کو ہمایوں نے کاٹ کر رکھ دیا باقی اپنی جانیں بچاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب بابر نے انبالہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے جمنا کے کنارے پانی پت تک رسائی حاصل کی اور پانی پت کے میدان تک جا پہنچا۔

بابر کے لشکر کی کل تعداد اس وقت پچیس ہزار تھی دوسری طرف ابراہیم لودھی بھی اپنے لشکر کے ساتھ پانی پت کے میدان میں پہنچا اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوگئے۔

20 اپریل 1526ء کو بابر کو امید تھی کہ ابراہیم لودھی شدید حملہ کرے گا۔ لیکن ابراہیم لودھی میدان یونہی پڑا رہا جنگ کی اس نے ابتداء نہ کی۔

دوسری طرف بابر یونہی بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ فی الفور جنگ کی ابتداء کرنا چاہتا تھا اس نے ارادہ کیا کہ ابراہیم لودھی کے لشکر پر شب خون مارے تاکہ ابراہیم لودھی کو جنگ کے لئے مشتعل کیا جاسکے بابر کی یہ چال کامیاب رہی اور 21 اپریل کو علی الصبح ابراہیم لودھی کے لشکر میں ہلچل ہوئی۔ ابراہیم لودھی نے

جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس وقت ابراہیم لودھی کے لشکر کی تعداد لگ بھگ ایک لاکھ تھی اور اس کے پاس ایک ہزار جنگ میں حصہ لینے والے ہاتھی بھی تھے جبکہ بابر کے لشکر کی تعداد کل 25 ہزار تھی۔

آخرکار جنگ کا آغاز ہوا بابر کے لشکر کے بائیں بازو کو ابراہیم لودھی کے لشکریوں کے ہاتھوں نقصان پہنچا چنانچہ مرکزی لشکریوں کی طرف سے بائیں بازو کی مدد کے لئے فوراً کمک پہنچائی گئی اب جو مغلوں نے اپنی روایتی حملوں کی ابتداء کی اور حملوں میں شدت پیدا کی تو ابراہیم لودھی کے لشکر کو پیچھے ڈھکیلنے میں کامیاب ہوگئے۔ عین اس موقع پر بابر نے اپنے توپچیوں کو توپیں چلانے کا حکم دے دیا۔ ایسا ہونا تھا کہ ابراہیم لودھی کے ہاتھی بھی بے کار ہوگئے اور اب ابراہیم لودھی کی لشکریوں پر مغلوں کی طرف سے توپوں کے گولوں کے علاوہ تیروں کی بارش شروع ہوگئی تھی۔

دوپہر تک گھمسان کا رن پڑا آخرکار ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی اس کا لشکر پسپا ہوگیا۔ جنگ کے دوران ابراہیم لودھی کے 15 ہزار لشکری ہلاک ہوئے وہ خود بھی زخمی ہوا اور زخموں کی تاب نہ لا کر وہ چل بسا۔

گوالیار کا راجہ بکرماجیت بھی جنگ میں ابراہیم لودھی کی مدد کررہا تھا وہ بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب بابر اور ابراہیم لودھی کے درمیان پانی پت کے قصبہ کے مشرق کی جانب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اور سلطان ابراہیم لودھی کے اکثر و بیشتر لشکری جنگ میں کام آچکے تھے اس کے علاوہ کچھ سالاروں اور بہت سے

لشکریوں نے جو سلطان ابراہیم لودھی سے رنجیدہ خاطر تھے بغیر لڑے ہی جنگ سے منہ پھیر کر پانی پت کے میدانوں سے نکل جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی تھی اس وقت ابراہیم لودھی اپنے محافظ دستوں اور لشکر کے دوسرے جانثاروں کے ساتھ کھڑا جنگ کا نظارہ کر رہا تھا۔

اس موقع پر ابراہیم لودھی کا ایک سالار جو اس کی نگاہوں میں بڑا پسندیدہ تھا اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اس کے پاس آیا اور ابراہیم لودھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''سلطان محترم! اس وقت ہمارے لشکر کی حالت انتہائی ابتر و نازک ہے لشکر کا ایک خاصہ بڑا حصہ جنگ میں کام آ چکا ہے اور کچھ لشکری جنہیں ہم سے اختلافات تھے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں۔ اس موقع پر میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ بہتر ہوگا آپ بذاتِ خود جنگ سے گریز کرتے ہوئے میدان جنگ سے نکل جائیں اگر کسی لشکر کا سپہ سالار یا کسی ملک کا بادشاہ سلامت رہے تو پھر بعد میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے لشکری بھی اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی طاقت و قوت کو دوبارہ استوار کرتے ہوئے کئی مواقع پر اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس بناء پر میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے آپ میدان جنگ سے نکل جائیں۔ حملہ آور مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ادھر ادھر بکھرے ہوئے اپنے سالاروں سے صلح کریں۔ بھاگے ہوئے لشکریوں کو اپنے ساتھ ملائیں اور پھر تازہ دم ہو کر مغلوں پر حملہ آور ہوں۔'' سلطان محترم! میرے خیال کے مطابق فی الحال وقت

کا تقاضہ یہی ہے لہٰذا ہمیں وہی کرنا چاہیئے جو وقت کا تقاضہ ہے آگے جو سلطان کی رائے وہی ٹھیک ہے۔''

ابراہیم لودھی نے اپنے سالار محمود خان کی یہ گفتگو بڑے غور اور انہماک سے سنی۔ جب وہ خاموش ہوا تو اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''محمود خان! بادشاہوں کے لئے لڑائی سے منہ پھیرنا ننگ و عار کی بات ہے۔ ذرا دیکھو تو ہمارے بڑے بڑے امراء و بڑے بڑے نزدیکی مصاحب خیر خواہ سالار لشکری اور دوست سب میدان جنگ میں کام آ چکے ہیں اور جابجا گرے پڑے ہیں ایسی حالت میں انہیں چھوڑ کر اب میں کہاں جاؤں؟'' میدان جنگ میں، میں اپنے گھوڑوں کے پاؤں سینے تک خون میں غرق دیکھ رہا ہوں۔ محمود خان! مجھے کسی سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں ہے جب تک ہمارا عہد تھا ہم نے بادشاہی کی اور من مانیاں بھی کیں اب یہ بے وفا آسمان مغلوں کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے لہٰذا کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابراہیم لودھی رکا پھر دکھ بھرے انداز میں وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

''اب ہمارے زندہ رہنے میں لطف ہی کیا رہ گیا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ ہم بھی خاک و خون میں مل کر دوستوں کے ساتھ یکجا ہو جائیں۔''

اس کے بعد ابراہیم لودھی اپنے پانچ ہزار امراء، مصاحبوں و خواص اور قریبی لشکریوں کے ساتھ جو باقی رہ گئے تھے۔ میدان جنگ میں کود پڑا اور بابر کے لشکر کے وسطی حصے پر حملہ آور ہوا۔

ابراہیم لودھی اور بابر کے درمیان اس موقع پر ہولناک ٹکراؤ ہوا اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں ابراہیم لودھی جنگ میں کام آ گیا۔

کہتے ہیں جب ابراہیم لودھی کے جنگ میں کام آنے کی خبر بابر کو ملی تو اس نے دولت خان کے بیٹے دلاور خان کو اپنے پاس بلایا اور اسے لے کر میدان جنگ میں پڑی لاشوں کی طرف گیا کہ ابراہیم لودھی کی لاش کو تلاش اور شناخت کرے۔

دلاور خان ابراہیم لودھی اور اس کی سالاروں کے ساتھ میدان قتال میں داخل ہوا۔ چاروں طرف ان گنت خاک وخون میں لت پت لاشیں پڑی ہوئی تھیں انہی لاشوں کے اندر خون میں نہائی ہوئی ابراہیم لودھی کی بھی لاش تھی۔ جبکہ اس کا تاج سر سے جدا پڑا تھا اور اس کے ہاتھی پر جو سائبان تھا وہ بھی علیحدہ گرا پڑا تھا۔ دلاور خان نے جب ابراہیم لودھی کا یہ حال دیکھا تو رو پڑا اس لئے کہ بہر حال ابراہیم لودھی اس کا عزیز ورشتہ دار تھا پھر بابر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہی ابراہیم لودھی ہے۔"

بابر بہ نفس نفیس ابراہیم لودھی کی لاش کے قریب آیا اور جب اس نے چار تکیوں والے تخت پر بیٹھنے والے سلطان کو خاک وخون میں لت پت دیکھا تو اس کی اس عبرت ناک حالت کو دیکھ کر بابر خود بھی کانپ اٹھا تھا۔ بابر نے خود جھک کر ابراہیم لودھی کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آفریں ہے تمہاری جوانمردی پر۔"

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ قیمتی کپڑا لایا جائے اور اس سے ابراہیم

لودھی کا کفن تیار کیا جائے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ایک اور سالار جہانگیر قلی کو حکم دیا کہ سلطان ابراہیم لودھی کو غسل دے کر جہاں وہ میدان جنگ میں کام آیا ہے وہیں اسے دفن کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے بعد بابر نے اپنے کچھ سالاروں کو متعین کیا کہ وہ ابراہیم لودھی کے ساتھ آنے والے مال، خزانہ، شاہی خیمہ، ہاتھی، گھوڑوں حملہ آلات اور علاماتِ سلطانی پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت بابر کے ہاتھ 2 ہزار 7 سو گھوڑے ایک ہزار پانچ سو ہاتھی، خزانہ اور دوسری بہت سی قیمتی اشیاء بھی لگیں۔

پانی پت کی جنگ کے بعد حالات عجیب سے ہو گئے تھے اپنی ستر سالہ سلطنت کے دوران افغان بڑے دولت مند ہو چکے تھے۔ ان میں سے اکثر نے اپنے گھر بار مال ومتال اور خزانوں سے دستبردار ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر بنگال کی راہ لی۔ ان کے درمیان تفرقات پیدا ہو چکے تھے جبکہ بابر ابراہیم لودھی کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے لگا تھا۔

خـــاندان لودھی میں تین بادشاہ ہوئے ایک بہلول لودھی، ایک ابراہیم لودھی کا باپ سکندر لودھی اور ایک خود ابراہیم لودھی، سلطان ابراہیم لودھی کی سلطنت آٹھ سال آٹھ مہینے اور اٹھارہ دن رہی اور پانی پت کا جو قصبہ ہے اس کے مغربی حصے میں جہاں جنگ ہوئی تھی اسے اسی جگہ دفن کردیا گیا تھا۔

پانی پت کے میدانوں میں شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد بابر نے سب سے پہلے اپنے لشکر کو لوٹ مار کرنے سے روکا۔ پھر دہلی اور آگرہ کے خزانوں کے تحفظ کی طرف توجہ دی۔ بابر اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ خود دہلی میں داخل ہوا اور آگرہ کی طرف اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو روانہ کیا۔ ہمایوں کو گو آگرہ کے قلعے میں داخل ہوتے وقت کچھ الجھنا پڑا لیکن وہ کامیاب رہا اور آگرہ میں داخل ہوکر اس میں جس قدر خزانے تھے ان پر قبضہ کرلیا۔ ہمایوں نے جس وقت آگرہ پر قبضہ کیا تو اس موقع پر گوالیار کے راجہ کے بیوی بچے بھی آگرہ میں

ہی قیام کئے ہوئے تھے۔ کیونکہ اس جنگ میں راجہ بکرماجیت نے ابراہیم لودھی کا ساتھ دیا تھا۔ یہ سب ہمایوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ جونہی ہمایوں کو اطلاع ملی کہ یہ گوالیار کے راجہ بکرماجیت کے اہل خانہ ہیں تو اس نے ان سب کے ساتھ انتہائی باعزت اور شریفانہ سلوک کیا۔ ہمایوں کے اس حسن سلوک سے متاثر ہوکر راجہ کی بیویوں اور بچوں نے قیمتی ہیرے و جواہرات ہمایوں کی خدمت میں پیش کئے۔ انہی جواہرات میں مشہور عالم کوہ نور ہیرا بھی شامل تھا۔

27 اپریل 1526ء کو بابر دہلی پہنچا اور دہلی کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران بابر کو شہنشاہ ہندوستان کے نام سے یاد کیا گیا۔ موسم گرما کی آمد کے باعث بابر کے بہت سے وفادار سالار پریشان ہو رہے تھے انہوں نے بابر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے جدامجد تیمور لنگ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان چھوڑ دے۔ بابر نے ان کا کہا ماننے سے انکار کردیا اور صاف طور پر ان سے کہہ دیا کہ ان میں سے جو جانا چاہے جاسکتا ہے لیکن وہ تو مستقل طور پر ہندوستان میں قیام کرکے اپنی سلطنت کو مضبوط اور مستحکم کرے گا۔

پانی پت کی فتح کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ بابر ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ ابھی تک وہ صرف دہلی اور آگرہ کا حکمران ہوا تھا اور ابھی اسے ہندوستان پر اپنا پرچم لہرانے کے لئے طویل جدوجہد درکار تھی۔

درحقیقت ابراہیم لودھی کی بابر کے ہاتھوں شکست بابر کا اپنی جدوجہد کی طرف پہلا قدم تھا۔ ابھی بابر کو اپنے طور سے افغان اور راجپوت دشمنوں سے نبرد آزما ہونا تھا۔ گو افغانوں کو مغلوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی لیکن ابھی ان میں جنگ کی سکت باقی تھی اور وہ بابر کو بہرحال ایک حملہ آور سمجھتے تھے اور اس کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کے خواہشمند تھے۔ جہاں تک راجپوتوں کا تعلق ہے۔ تو وہ بھی جنگجو تھے اور میواڑ کے راجپوت راجہ رانا سانگا کی قیادت میں ہندوستان پر اپنی سیاسی برتری کا خواب دیکھ رہے تھے اور جانتے تھے کہ اس مقصد کے لئے انہیں ایک نہ ایک دن مغلوں سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔

ادھر بابر کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لشکری گرمی کی شدت سے تلملا اٹھے تھے تاہم بابر نے لشکر کے سپاہیوں کو اپنی جوشیلی تقریروں کے ذریعہ ہندوستان میں رہنے پر آمادہ کرلیا تھا تاکہ وہ شمالی حصے بھی فتح کرسکے۔

دوسری طرف بابر کے کابل میں قیام کے دوران چتوڑ کے راجہ رانا سانگا نے بابر سے نہ صرف سفارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے بلکہ ابراہیم لودھی کے خلاف جنگ میں اپنی طرف سے مدد کی پیش کش بھی کی تھی۔ چتوڑ کا دوسرا نام جو آجکل زیادہ مشہور ہے وہ اودھ پور ہے۔ رانا سانگا تمام راجپوتوں کا اس وقت قائد شمار ہوتا تھا۔

اس کی تمام زندگی مسلسل جنگوں میں گزرتی تھی۔ مسلمان حکمرانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے رانا سانگا نے بیلسہ، سارنگ پور، چندریری اور تھمبور کے قلعے چھین کر اپنی سلطنت کو مضبوط اور مستحکم بنا رکھا تھا۔ جنگوں کے دوران زخم کھا کر معذور ہوجانے کے باوجود ہندوستان کے سات راجا اور لگ بھگ 104 سردار رانا سانگا کے اطاعت گزار تھے۔

بابر نے جب دہلی پر قبضہ کیا تو رانا سانگا نے اس کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ وہ تو یہ خیال کئے ہوئے تھا کہ بابر ابراہیم لودھی سے نمٹ کر واپس چلا جائے گا لیکن بابر نے تو اب ہندوستان میں مستقل رہنے کا تہیہ کرلیا تھا اور اب وہ رانا سانگا سے ٹکرانے کی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔

بابر نے پہلی مرتبہ رانا سانگا کے خلاف جنگ کو ''جہاد'' کا نام دیا کیونکہ یہ

جنگ کسی مسلمان کے خلاف نہیں بلکہ ایک بت پرست راجپوت کے خلاف تھی۔

جس وقت بابر رانا سانگا کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس دوران اس کے بیٹے ہمایوں نے بھی اپنا کام دکھایا۔ جو لشکر اس کے پاس اس وقت آگرہ میں موجود تھا اس کے ساتھ وہ نکلا۔ سب سے پہلے وہ قنوج شہر پر حملہ آور ہوا پوری شدت سے حملہ آور ہوتے ہوئے اس نے قنوج شہر پر قبضہ کرلیا اس کے بعد ہمایوں نے برق رفتاری سے حرکت کرتے ہوئے اور دشمن پر حملہ آور ہوتے ہوئے جون پور وغازی پور حتیٰ کہ گوالیار پر بھی قبضہ کرلیا اس دوران بابر بھی موت کے پنجہ سے بال بال بچا۔ اس لئے کہ ابراہیم لودھی کی ماں جو قید ہو کر آگرہ میں قیام کئے ہوئے تھی۔ اس نے بابر کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابراہیم لودھی کی ماں کی طرف سے زہر دینے کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ دہلی سے نکل کر کچھ دنوں کے لئے بابر نے آگرہ میں قیام کیا۔ یہاں بابر نے ہندوستانی کھانے کھائے اور وہ کھانے اسے بڑے اچھے لگے لہٰذا اس نے ابراہیم لودھی کے باورچیوں کو بلایا جو اس وقت آگرہ میں قیام کئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ 50 یا 60 باورچی جن میں سے بابر نے چھانٹ کر چار کو اپنی ملازمت میں رکھ لیا تاکہ بابر کے ساتھ رہ کر وہ اس کے لئے ہندوستانی کھانے تیار کریں۔

ابراہیم لودھی کی ماں کو جب پتہ چلا کہ بابر نے اس کے بیٹے کے کچھ باورچیوں کو اپنے ہاں ملازم رکھ لیا ہے تو اس نے ایک چاشنی گیر سے رابطہ قائم کیا یہ چاشنی گیر ابراہیم لودھی کے دور میں شاہی محل میں کام کرتا تھا لیکن ابراہیم کی

موت اور بابر کی فتح کے بعد وہ آگرہ سے نکل کر اٹاوہ کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ چاشنی گیر چونکہ ابراہیم لودھی کی ماں کا بڑا پسندیدہ اور بھروسے کے لائق تھا لہٰذا ابراہیم لودھی کی ماں نے اس چاشنی گیر کو اٹاوہ سے آگرہ طلب کیا اس چاشنی گیر کا نام احمد تھا۔

دوسری بڑی بات یہ کہ بابر نے جو اپنی خدمت کے لئے چار باورچی رکھے تھے وہ چاروں کے چاروں احمد نام کی اس چاشنی گیر کے بڑے ممنون اور احسان مند تھے اسی وجہ سے ابراہیم لودھی کی ماں نے اسے بلا کر باورچیوں کے ذریعہ بابر کو زہر دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اب بابر نے ابراہیم لودھی کے دور والے چار باورچیوں کے علاوہ اپنی طرف سے کچھ چاشنی گیر بھی رکھ لئے جو بادشاہ کو کھانا دینے سے پہلے خود کھانا کھا کر دیکھتے تھے کہ وہ کھانا بادشاہ کے لائق ہے یا نہیں؟

اٹاوہ سے جب احمد نام کا وہ چاشنی گیر ابراہیم لودھی کی ماں کے پاس آگرہ پہنچا تو ابراہیم لودھی کی ماں نے اس چاشنی گیر کو کوئی تولہ بھر زہر کی پڑیا مہیا کی اور اسے یہ کہا کہ وہ زہر کی یہ پڑیا باورچی خانے کے کسی باورچی تک پہنچا دے اور کوشش کرے کہ یہ زہر بابر کو کھلا دیا جائے۔

احمد چاشنی گیر چونکہ ان باورچیوں سے بڑے تعلقات رکھتا تھا جن کا بابر نے اپنے لئے انتخاب کیا تھا لہٰذا اس نے ایک باورچی سے رابطہ قائم کیا اور اسے زہر کی پڑیا دیتے ہوئے کہا کہ اگر وہ یہ زہر کسی نہ کسی طرح بابر کو کھلا دے تو ابراہیم لودھی کی ماں کی طرف سے اسے اس قدر بڑی جاگیر دی جائے گی کہ عمر بھر کے لئے اسے ملازمت نہیں کرنا پڑے گی اور اپنی جاگیر میں بیٹھ کر عیش کرتا رہے گا۔

وہ باورچی احمد چاشنی گیر کے بہکاوے میں آ گیا اس نے مہیا کردہ زہر بابر کو کھلانے کا تہیہ کرلیا۔ اس دوران ابراہیم لودھی کی ماں نے اپنی ایک اور خادمہ کو بابر کی قیام گاہ کی طرف بھجوایا تاکہ وہ یہ پتہ لگائے کہ واقعی وہ باورچی بابر کو ہلاک کرنے کے لئے اس کا مہیا کردہ زہر استعمال کرتا ہے کہ نہیں؟

حسن اتفاق سے جس باورچی کے حوالے وہ زہر کیا گیا تھا وہ بابر کے کھانے میں ڈر خوف اور گھبراہٹ میں اس زہر کو صحیح طور پر استعمال نہ کرسکا۔ سالن والی پتیلی میں زہر ڈالنے کی بجائے اس نے جس رکابی کے اندر بابر کے لئے سالن نکالا تھا اس رکابی کے سالن پر اس نے زہر چھڑک دیا ایسا اس نے اس لئے بھی کیا تھا کہ بابر نے اپنے نئے چاشنی گیروں کو جو حکم جاری کیا ہوا تھا کہ وہ پتیلی سے سالن نکال کر ہندوستانی باورچی کو چکھایا کریں گے اس کے بعد خود چکھا کریں گے۔

مگر نالائق چاشنی گیروں نے رکابی میں سالن کے بعد نگرانی نہیں کی اسکے علاوہ جس باورچی نے زہر استعمال کیا تھا۔ اس نے زہر کچھ پھلکوں پر بھی چھڑک دیا۔ اس نے مزید یہ کام کیا کہ جن پھلکوں پر اس نے زہر چھڑکا تھا ان کے اوپر کچھ بوٹیاں رکھ دیں اور ان بوٹیوں پر زہر چھڑکنا بھول گیا۔ اگر وہ ان بوٹیوں پر بھی زہر چھڑک دیتا تو یقیناً بابر ہلاک ہو چکا ہوتا۔

مؤرخین کہتے ہیں زہر استعمال کرتے ہوئے وہ باورچی گھبرا گیا کچھ زہر تو اس نے پھلکوں اور رکابی کے سالن پر چھڑک دیا اور کچھ زہر اس سے چولہے ہی میں گر گیا۔ کیونکہ زہر استعمال کرتے ہوئے وہ کپکپا رہا تھا۔

ادھر ظہیر الدین بابر نے جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر آیا اور اس کے

لئے دسترخوان چنا گیا سب سے پہلے اس نے سالن میں سے پکی ہوئی گاجریں کھائیں اس کے بعد اس نے چند لقمے زہر والی رکابی سے لے کر بھی کھائے پہلے تو اسے کوئی بھی چیز بے مزہ معلوم نہ ہوئی۔ لیکن جب اس کے بعد اس نے گوشت کی کچھ بوٹیاں کھائیں تو اس کی طبیعت بگڑنا شروع ہوگئی۔

اس موقع پر بابر یہ سمجھا کہ ایک دن پہلے اس نے خشک گوشت پکوا کر کھایا تھا اس سے اس کی طبیعت بے مزا ہوئی تو شاید یہ اسی کے باعث ہوا اور اس موقع پر اسے متلی بھی محسوس ہونے لگی دو تین بار اسے ابکائی آئی قریب ہی تھا کہ اُسے دسترخوان پر ہی متلی آجاتی آخر اٹھ کر آبدار خانے میں گیا جاتے جاتے اسے ابکائیاں آتی رہیں پھر آبدار خانے میں جا کر اسے ابکائی ہوئی۔

اپنی یہ حالت دیکھتے ہوئے بابر سوچوں میں پڑ گیا اس لئے کہ اس سے پہلے کھانا کھا کر اسے کبھی قے یا ابکائی نہ آئی تھی۔ اس بناء پر اسے شک ہوا کہ ضرور کھانے میں کچھ ہے لہٰذا اس نے حکم دیا کہ باورچیوں کو حراست میں لے لیا جائے۔

ساتھ ہی جو غذا اسے پیش کی گئی تھی وہ ایک کتے کو ڈالی اور اسے کھلائی اور اس کتے کو نگاہ میں رکھا۔

دوسری صبح اس کتے کا پیٹ پھول گیا اور وہ ایسا علیل اور مدہوش ہوا کہ جب اس کو پتھر مارے گئے تب بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ آخر دوپہر کو وہ اٹھ بیٹھا اور مرنے سے بچ گیا اس موقع پر جو کھانا ظہیر الدین بابر کے لئے پکا تھا اس میں سے اس کے محافظ دستے کے دو سپاہیوں نے بھی وہ زہر والا کھانا کچھ کھا لیا اور وہ بھی قے کرتے رہے ان کی حالت بھی بہت بگڑ گئی تھی مگر وہ مرنے سے بچ گئے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ظہیر الدین بابر نے اپنے ایک سالار کو اس معاملے کی تفتیش کرنے کا حکم دیا اور جب اس باورچی پر سختی کی گئی جس نے زہر استعمال کیا تھا تو اس نے سارا حال ایک ایک کر کے بیان کر دیا۔ باورچی سے سب کچھ جاننے کے بعد بابر نے اپنے سارے امیروں وزیروں سالاروں اور سلطنت کے عمائدین کو اپنے پاس بلایا۔ جب سب اس کے پاس جمع ہو گئے تو باورچیوں کے علاوہ ان عورتوں کو بھی دربار میں بلایا گیا جنہوں نے زہر پہنچایا تھا اور جب ان سے تفتیش کی گئی تو انہوں نے بھی ساری تفصیل سنا دی۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابراہیم لودھی کی ماں نے اٹاوہ سے ایک چاشنی گیر کو بلایا جو ان باورچیوں کا جاننے والا تھا۔ جنہیں بابر نے اپنے لئے منتخب کیا تھا تب اس احمد نام کے چاشنی گیر کے تو اسی وقت ٹکڑے کر دیئے گئے۔

جہاں تک اس باورچی کا تعلق تھا جس نے یہ زہر استعمال کیا تھا اس کی کھال کھنچوا دی گئی۔

جس ملازمہ نے زہر پہنچایا تھا اسے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا گیا جبکہ ابراہیم لودھی کی ماں کو حراست میں لے لیا گیا بعد میں اسے کابل بھیج دیا گیا وہ یہ سمجھی کہ کابل لے جا کر اسے بدترین اور کڑی سزا دی جائے گی لہٰذا راستے میں جس وقت وہ دریائے سندھ عبور کر رہی تھی اس نے دریا میں کود کر خودکشی کر لی تھی۔

چتوڑ کا راجہ رانا سانگا کسی صورت یہ پسند نہیں کر رہا تھا کہ بابر مستقل طور پر ہندوستان میں رہے وہ اس بات پر تو خوشی کا اظہار کر رہا تھا کہ بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی کی سلطنت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے اب وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ بابر اپنے لشکر کو لے کر ہندوستان سے نکل جائے تاکہ سارے ہندوستان پر رانا سانگا خود حکومت کرنے کے قابل ہو جائے۔

رانا سانگا یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اس نے بابر سے ٹکرانے میں تاخیر کی تو بابر کو سنبھلنے اور اپنی طاقت وقوت میں اضافہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ لہٰذا رانا سانگا ایک بہت بڑا لشکر لے کر نکلا اور چتوڑ سے اس نے بیانہ شہر کا رخ کیا۔

آخر بیانہ سے بھی روانہ ہوا میوات کی طرف بڑھا یہاں سے بھی کوچ کرتے ہوئے وہ آگرہ کے مغرب میں تقریباً 37 میل دور بھرت پور نام کے ایک گاؤں کی طرف بڑھا۔

اس وقت بابر اور اس کا بیٹا ہمایوں دونوں ہندوستان میں اپنے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے اور یہ دونوں باپ بیٹے کے لئے بڑا نازک موقع تھا۔ یہی وہ

موقع تھا جب بابر نے شراب پر پابندی عائد کر دی تھی ساتھ ہی اس نے خود بھی شراب نوشی ترک کر کے جس قدر شراب کا ذخیرہ تھا اسے ویران کنوؤں میں پھینک دیا گیا۔

بابر کو جب خبر ہوئی کہ رانا سانگا ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ بھرت پور پہنچ چکا ہے تب وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اتنی دیر تک رانا سانگا اپنے لشکر کے ساتھ کنواہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ لہٰذا بابر نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ 16 مارچ 1527ء کو کنواہ کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے اس بار بھی جنگ کا نقشہ پانی پت کی جنگ کے نقشہ کی طرح رکھا گیا۔ بابر نے اپنے لشکر کے بائیں حصے کا کماندار مہدی خواجہ کو بنایا اپنے توپ خانے کی کمانداری حسبِ سابق نظام الدین علی خلیفہ کے سپرد کی۔

جب جنگ کی ابتداء ہوئی تو رانا سانگا نے بابر کے لشکر کے دائیں اور بائیں بازوؤں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے لیکن بابر اور اس کے لشکریوں نے راجپوتوں کو سخت ترین جواب دیا اور راجپوتوں کے اگلے لشکریوں کو تقریباً کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ راجپوتوں نے بار بار کوشش کی کہ مغلوں کے لشکر کے اندر گھس کر اپنی فتح کو یقینی بنائیں لیکن راجپوت تو یہ خیال کرتے تھے کہ لڑائی میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انہوں نے محسوس کیا جنگ کے دوران مغل ان کے سامنے لوہے کی دیواروں اور چٹانوں سے بھی زیادہ سخت ثابت ہو رہے تھے۔ جہاں راجپوت یہ ارادہ کرتے تھے کہ مغلوں کے اندر گھس کر جنگ کریں وہاں یہی کھیل مغلوں نے کھیلنا شروع کر دیا تھا اور وہ راجپوتوں کے اندر گھس کر ان کا قتل عام

شروع کر چکے تھے۔ یوں 10 گھنٹے کی لگاتار اور زبردست جنگ کے بعد رانا سانگا کے لشکریوں کے خلاف بابر کو فتح نصیب ہوئی۔

اس جنگ سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ بابر نے جنگ کی ابتداء کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنی توپوں کو آگے رکھتے ہوئے ان سے گولے داغنے شروع کئے دوسری طرف رانا سانگا نے مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کرنے کے لئے ہاتھیوں کو آگے رکھا تھا۔ لیکن جب بابر کی توپیں داغی جانے لگیں اور گولے ہاتھیوں کے اندر گرنے لگے تب ہاتھی خشک پتوں کی طرح اڑتے ہوئے ادھر ادھر بکھرنے لگے اس کے بعد بابر کے تیر اندازوں نے موسلا دھار بارش کی طرح راجپوتوں پر تیروں کی بارش کر دی تھی جس کی وجہ سے ان گنت راجپوت چھد کر رہ گئے تھے۔

کہتے ہیں دوپہر کی تیزی نے بھی گھمسان کی جنگ میں کوئی کمی نہ ڈالی راجپوت ہر صورت میں مسلمانوں کو پسپا کرتے ہوئے اپنی پوری طاقت وقوت سے حملہ کر رہے تھے جب راجپوتوں کا ایک لشکر مغلوں سے مات کھا کر پیچھے ہٹتا تو وہ رانا سانگا کے علاوہ کسی دوسرے راجہ یا رانا کا لشکر اس کی جگہ لے لیتا اور مغلوں پر ٹوٹ پڑتا۔

عصر کے وقت تک بابر نے زیادہ تر اپنے لشکر کے دو پہلوؤں کی طرف سے دشمن پر دباؤ ڈالے رکھا اور جو اس کے لشکر کا وسطی حصہ تھا اس کو بھی اپنے لشکر کی پہلوؤں کی مدد مقرر کئے رکھا۔ اس جنگ میں راجپوتوں کو ان کی امیدوں کے خلاف سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا ایک موقع پر انہوں نے جب اپنی صفوں کو از سر نو درست کر کے زخمیوں کو پیچھے لے جاتے ہوئے نئے انداز میں بابر پر حملہ آور ہونے کی ابتداء کرنا چاہی تب بابر نے بھی اپنا پینترہ بدلتے ہوئے نیا انداز اپنایا۔

بابر نے غیر متوقع طور پر پورے لشکر کو حکم دیا کہ یکبارگی پوری طاقت وقوت سے راجپوتوں پر ٹوٹ پڑیں۔

بابر کی طرف سے یہ حکم ملنا تھا کہ توپوں کو آگے کھینچا گیا تیر انداز بڑی سرعت سے پیش قدمی کرتے ہوئے توپوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے اس طرح بابر نے پورے لشکر کے ساتھ اپنی ساری طاقت کو صرف کرتے ہوئے راجپوتوں پر حملہ کیا تھا۔ یہ بابر کی طرف سے گویا راجپوتوں کے منہ پر ایک بھرپور تھپڑ تھا۔ راجپوتوں نے اس حملے کو روکنے کی کوشش کی اور جوابی کارروائی کرتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔

لیکن اتنی دیر تک بابر کے لشکریوں نے راجپوتوں کو تین اطراف سے گھیر کر ایک طرح سے ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا اور ان کی صفوں کو متزلزل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر رانا سانگا بری طرح زخمی ہوا اور اسے پیچھے ہٹا لیا گیا۔

سورج چھپتے چھپتے راجپوتوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ میواڑ کے کوہستانی سلسلوں کا رخ کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ راجپوتوں کا پوری طاقت وقوت سے پیچھا کیا انہیں اپنے آگے آگے بھگاتا ہوا ان کی تعداد کم کرتا چلا گیا تھا اور پھر رات ہو جانے کی وجہ سے یہ تعاقب ترک کر دیا گیا اس طرح رانا سانگا کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا گیا تھا۔

کہتے ہیں اس جنگ میں راجپوتوں کے لشکر کا ایک بڑا حصہ ختم ہو گیا مقتولوں میں ان کے بڑے بڑے سالار بڑے بڑے سورما اور بڑے بڑے بہادر اور اعلیٰ پائے کے سردار بھی تھے مرنے والوں میں راؤ نگر کا سپہ سالار اپنی برادری کے دو منچلوں کے ساتھ کام آیا۔ سلمبرا کا راجہ چندہ دت اپنے تین سو سر کردہ عزیزوں کے ساتھ مارا گیا۔ مارواڑ کا راجکمار اپنے سرداروں کے ساتھ کام آیا۔ سونی گڑھ کا راؤ اس جنگ میں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ میواڑ کے رؤساء اور بہت سے دوسرے نامی گرامی اس جنگ میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔

کہتے ہیں مغل فتح مندوں نے مقتولوں کے بریدہ سروں کا میدان میں مینار تیار کیا اور بابر کو غازی یعنی ایک اسلامی جنگ کے فاتح کے لقب سے ملقب کیا۔ بلاشبہ بابر کی سپہ سالاری نے وہ معرکہ سر کیا جو نتائج کے اعتبار سے فیصلہ کن ثابت ہوا۔ رانا سانگا اپنے زخم سے جانبر نہ ہو سکا اور سال بھر کے اندر مر گیا۔ اس کی اولاد میں بھی کسی کو پھر ہندوستان میں مغلوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی۔ پانی پت میں بابر نے شمالی ہند کے مسلمان بادشاہوں کی قوت کو توڑا تھا جبکہ کنواہ کے میدان میں بابر نے ہندوستان کے راجپوتوں کی کمر توڑ کر

رکھ دی تھی۔

بہر حال یہ پہلا موقع تھا کہ بابر کو اپنی زندگی میں اس قدر اعلیٰ پائے کی فتوحات حاصل ہوئی تھیں اس سے پہلے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا ہر وقت پریشان اور سرگرداں رہتا تھا لیکن پانی پت اور اس کے بعد کنواہ میں فاتح کی حیثیت سے ابھرنے کے بعد اسے کسی نئے خطرے کی تشویش نہ رہی تھی اب وہ رات زرہ پہنے بغیر سو جاتا تھا گو آس پاس مخالف اور بدسگال لوگوں کی کمی نہ تھی اور بہت سے مسائل ابھی حل طلب تھے لیکن اسے ان کی چنداں فکر نہ تھی اس کے علاوہ شراب ترک کر کے اور شراب کے برتن توڑ کر وہ خدا کی رحمت اور فضل پر زیادہ بھروسہ کرنے لگ گیا تھا اب وہ یہ بھی خیال کرتا تھا کہ جس طرح خداوند نے اس کے توبہ کرنے کے بعد اسے دشمنوں کے خلاف کامل فتح عطا کی تھی اب وہ یہ اعتقاد بھی رکھنے لگا تھا کہ دوسری پریشانی میں بھی وہی خدائے رحیم وقدیر اس کی مدد فرمائے گا۔

بابر نے پانی پت میں فتح حاصل کرنے کے بعد اپنے چھوٹے چھوٹے سوار لشکریوں کو آگرہ اور کچھ دوسرے علاقوں کی طرف بھجوایا تھا تا کہ وہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور جہاں جہاں بھی شکست خوردہ حکمرانوں کے خزانے ہوں ان پر قبضہ کریں لیکن کنواہ میں راجپوتوں کو بدترین شکست دینے کے بعد اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ راجپوتوں کا علاقہ جھلستی اور تپتی ریت کی وادیوں کا صحرا تھا اور اس کے اندر بابر کسی طریقے کسی سلیقے کے ساتھ پیش قدمی کرنا چاہتا تھا ساتھ ہی اس موقع پر اس کے سامنے یہ خدشات بھی تھے کہ اس کے کچھ

لشکریوں کے علاوہ اس کے چند سرکردہ سالار بھی ہندوستان کی گرمی برداشت نہ کرتے ہوئے واپس کابل جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ان کے ان ارادوں کے مقابلے میں بابر نے اپنا ایک بہترین داؤ استعمال کیا۔ جس کی بناء پر ان میں سے اکثر نے اپنے وطن اندجان اور کابل واپس جانے سے انکار کر دیا۔

سب سے پہلے اس نے اپنے مستحق لشکریوں کو جاگیریں دیں اور انہیں ان کی جاگیروں کی طرف روانہ کیا اور ان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ ان جاگیروں پر جہاں جہاں بھی دشمن بیٹھا ہے ان پر حملہ آور ہوا ندرجان اور اور انہیں فتح کر کے ان پر قبضہ کر لیں۔

اس طرح لشکریوں نے تو واپس کابل جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کے بعد بابر اپنے سرکردہ سالاروں کی طرف متوجہ ہوا بابر نے مال غنیمت اور دوسرے اموال میں سے انہیں اس قدر نوازا کہ وہ مطمئن ہو گئے اور ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ انہیں اس طرح نوازنے کے بعد بابر نے انتہائی نرمی اور عاجزی سے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ اب بھی اگر وہ واپس اپنے وطن جانا چاہتے ہیں تو بابر انہیں روکے گا نہیں وہ جا سکتے ہیں شرمندگی کا احساس کرتے ہوئے ان میں سے بھی اکثر نے جانے کی بجائے ہندوستان میں ہی بابر کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا۔

اس جنگ میں ابراہیم لودھی کے افغان ساتھی بھی چونکہ رانا سانگا کا ساتھ دے رہے تھے لہٰذا رانا سانگا کے ساتھ ساتھ انہیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان میں سے ایک شخص حسن خان جو میوات کے علاقے کا حکمران تھا وہ بھی اس

جنگ میں مارا گیا۔ جبکہ ابراہیم لودھی کا بھائی سلطان محمود لودھی جو رانا سانگا کے لشکر میں شامل تھا شکست کی صورت میں وہ بھی بچ کر بھاگ نکلا۔ رانا سانگا کو شکست دینے کے بعد بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی شروع کی اور 7 اپریل 1527ء کو بابر کی حکومت ہندوستان کے وسیع تر علاقوں تک قائم ہو گئی تھی۔ اس موقع پر بابر نے بڑی فیاضی بڑی سخاوت سے کام لیا اس نے رانا سانگا کے ساتھ جنگ میں مرنے والے حسن خان کے بیٹے طاہر خان کو میوات کے علاقے کا حاکم مقرر کیا اور ساتھ ہی اسے پچاس لاکھ کی رقم بھی اس کے اخراجات کے لئے دی ساتھ ہی الور کا علاقہ اس نے اپنے سالار تبتی بیگ کے نام کر دیا تھا جس نے جنگ کے دوران لشکر کے ایک حصے کی کمانداری کرتے ہوئے راجپوتوں کے خلاف بہترین جرأت مندی اور شجاعت کا ثبوت دیا تھا۔ الور شہر سے جنگ میں مرنے والے حسن خان کا جس قدر خزانہ ملا وہ بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں میرزا کے حوالے کر دیا تھا۔ اس طرح بابر نے یکے بعد دیگرے فتوحات حاصل کرتے ہوئے اپنی حالت کو مزید مضبوط اور مستحکم کر لیا تھا۔

اودھے پور یعنی چتوڑ کے راجہ رانا سانگا کی بابر کے ہاتھوں بدترین شکست نے راجپوتوں کے ایک طاقتور سردار مدنی رائے نے بیدھیل کھنڈ اور مالوہ کی سرحدوں پر چندریری کے مقام پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ لیکن اب بابر اور اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے۔ ابراہیم لودھی اور اس کے بعد رانا سانگا کو بدترین شکست دینے کے بعد وہ ہندوستان میں اپنے خلاف کسی بھی طاقت وقوت کے پاؤں نہیں جمنے دینا چاہتے تھے۔ بابر کو جب خبر ہوئی کہ مدنی رائے نے بیدھل کھنڈ اور مالوہ کے سرحدی علاقوں پر ایک مستحکم حکومت قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ بڑی تیزی سے اپنے لشکر میں اضافہ کرنے لگا ہے تب اپنے لشکر کے ساتھ بابر نے اس کا رخ کیا تھا۔

مدنی رائے کا خاتمہ کرنے کے لئے بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کی اور آگے بڑھ کر چندریری کا بڑی سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا اور مدنی رائے کو بدترین شکست دی اس طرح بابر نے مدنی رائے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔

انہی دنوں ہندوستان کی گرمی کی وجہ سے ہمایوں کی طبیعت ناساز رہنے لگی جس کی بناء پر ہمایوں نے بابر سے کچھ عرصے کے لئے بدخشاں جانے کی اجازت طلب کی۔ بابر کے اجازت دینے پر وہ بدخشاں چلا گیا۔ ہمایوں کے بدخشاں چلے جانے کے بعد اودھ کے حاکم نے خیال کیا کہ ہمایوں کے جانے سے بابر کے لشکر کی تعداد کم ہوگئی ہے۔ اس طرح بابر کی عسکری قوت میں ضعیف پیدا ہوا اور اس موقع پر اگر وہ حملہ آور ہو تو فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے بابر سے ٹکرانے کا عزم کر لیا۔ بابر نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھجوایا جسے اودھ کے نواح میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اودھ کا حاکم لکھنؤ پر قابض ہوگیا۔ یہ خبر سن کر بابر نے بذات خود دریائے گنگا عبور کر کے اودھ کے حکمران پر حملہ کیا اور اسے بدترین شکست دی اور بابر سے شکست اٹھانے کے بعد وہ بنگال کی طرف بھاگ گیا۔

اسی اثناء میں ابراہیم لودھی کا بھائی سلطان محمود لودھی جس نے رانا سانگا کا ساتھ دیا تھا اور رانا سانگا کی شکست کے وقت وہ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے بہار پر قبضہ کر لیا وہاں قدم جمانے کے بعد اس نے بڑی تیزی سے اپنے لشکر میں اضافہ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس نے ایک لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل لشکر تیار کر لیا پھر وہ اس لشکر کے ساتھ بہار سے نکلا اور بنارس کی طرف اس نے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

سلطان محمود لودھی کو پکی اور قوی امید تھی کہ اس بار وہ بابر کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے پاس ایک لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل

جرار لشکر تھا جبکہ بابر کے اس لشکر میں بھی کمی ہو چکی تھی جس کے ساتھ وہ ابراہیم لودھی اور رانا سانگا سے ٹکرایا تھا۔ اس لئے کہ لشکر کا ایک حصہ بابر کا بیٹا ہمایوں لے کر بدخشاں کی طرف جا چکا تھا۔ لہٰذا سلطان محمود لودھی نے ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بابر سے ٹکرانے کا عزم کر لیا۔

دوسری طرف بابر بھی اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ کمر ٹھونک کر سلطان محمود لودھی کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا بنارس کے نواح میں ایک بار پھر ہولناک جنگ ہوئی اور اس جنگ میں اپنے پاس چھوٹا سا لشکر رکھنے کے باوجود بابر نے سلطان محمود لودھی کے ایک لاکھ کے لشکر کو بدترین شکست دی اور اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح ابراہیم لودھی کے بھائی سلطان محمود لودھی کو اودھ کے حاکم کی غلطی دہرانے کی خوب سزا ملی۔

اب ہندوستان میں بابر اور اس کے لشکریوں کے حوصلے مزید بلند ہو چکے تھے 6 مئی 1529ء کو بابر نے ہندوستان کی تیسری بڑی جنگ جیتی جو دریائے گنگا کے نزدیک گھاگرا کے مقام پر ہوئی اسے سلطان محمود لودھی کے حق میں لڑنے والے تمام سرداروں سے مقابلہ کرنا پڑا اس جنگ میں بابر سختی سے پیش آیا۔ اپنے توپ خانے کا اس نے شدید استعمال کیا اور اس فتح کے بعد بابر کو بیشتر افغان سرداروں اور امراء کی حمایت حاصل ہوگئی تھی انہی دنوں بابر نے بنگال کے حکمران نصرت شاہ کے ساتھ ایک معاہدہ امن کیا اس طرح بابر بنگال کا حکمران اعلیٰ بھی تسلیم کر لیا گیا۔

بابر ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی تھا بلکہ مؤرخین کے مطابق بابر اپنے

دور کا ذہین ترین ایشیائی شہزادہ تھا اور کسی بھی دور یا کسی بھی ملک کے حکمرانوں میں وہ اعلیٰ ترین منصب کا حامل تھا مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ ایک دلکش شخصیت، لطیف مزاج اور نفیس طبع کا حامل تھا۔ اس لئے تاریخ اسلام کی خوبصورت اور نمایاں شخصیات میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔

بابر ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا مگر فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ دوسرے مزاہب اور دوسرے مسالک کے پیروکاروں سے بھی بہترین سلوک رکھتا تھا۔ بابر کی ذات اور شخصیت میں ایک عجیب سی دلکشی تھی اس کا انداز تخاطب مخاطب کو جذب کرلیا کرتا تھا اس کی ذہانت قابل رشک اور نفاست طبع برگ گل کی مانند نرم تھی وہ اجنبی کی طبیعت کو پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتا تھا۔ مناظر قدرت اور فنون لطیفہ سے بابر کی وابستگی نا قابل بیان حد تک تھی اس نے نہ صرف برصغیر میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالی بلکہ وہ سلطنت تاریخ کے لئے لازم ہوگئی اور اس کی سرگزشت بھی ادب کا ایک لافانی شہ پارہ ثابت ہوئی۔

بحیثیت انسان بابر ایک طالع فرمان بیٹا، شفیق باپ، اچھا شوہر، مخلص دوست، رحمدل آقا، وسیع القلب اور غیر متعصب مسلمان تھا۔ اس کی ذاتی زندگی میں غرور اور تکبر نام کو نہ تھا نہ ہی اس نے کسی مرحلہ پر جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہوکر کبھی اخلاق کا دامن چھوڑا تھا۔ وہ ایک عرصہ تک شراب کا رسیا رہا لیکن رانا سانگا کے ساتھ جنگ سے پہلے جب اس نے توبہ کی اور شراب ترک کردی پھر بقیہ زندگی شراب نوشی کا تصور نہ کیا وہ ایک الوالعزم انسان تھا۔ جس نے اپنے نفس کو کبھی خواہشات کا غلام نہ بننے دیا تھا۔

بحیثیت ایک مجاہد بابر ایک لائق تحسین شخصیت کا حامل تھا۔ اس نے خطرات سے گھبرا کر کبھی فرار ہونے کا تصور زندگی بھر نہیں کیا۔

کم عمری میں ہی اس کا تاج و تخت حتیٰ کہ اس کی زندگی بھی قدم قدم پر خدشات اور خطرات سے دوچار ہوتی رہی تھی مگر اس نے بڑی جرأت مندی اور نہایت پامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سارے حالات کا سامنا کیا۔

وہ ایک لاجواب سوار، ایک بے مثال شکاری، اعلیٰ نشانہ باز اور تیغ زنی میں اپنا جواب آپ تھا۔ اس کے علاوہ اس کا عزم، استقلال، صبر و تحمل اور اس کی قوت برداشت اور قوت جسمانی قابل رشک تھی۔

ظہیر الدین بابر نے صرف ایک قابل سالار کے طور پر اپنے لشکر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بلکہ ایک مخلص قائد کے طور پر بھی وہ اپنی رعایا کی نگاہوں میں باعزت، قابل احترام خیال کیا جاتا تھا۔ اصول اور تنظیم کے معاملہ میں وہ سخت گیر شخص تھا۔ اپنے معاملات میں واقفیت، دوستی اور رشتہ کو کبھی سد راہ نہ ہونے دیتا تھا۔

مرکزی ایشیاء میں جنگوں کے دوران بابر کو بدترین اور سخت جان دشمنوں سے پالا پڑا لیکن جنگ کے نت نئے طریقوں، جنگی چالوں اور صف آرائی میں وہ اتنا زیرک تھا کہ سخت سے سخت مدمقابل کے قدم آنافاناً اکھیڑ کر رکھ دیتا۔ اس پر بڑے بڑے نازک مراحل آئے لیکن اس کے آہنی عزم نے کبھی شکست تسلیم نہ کی اسے دوبار تخت سے ہاتھ دھونا پڑے مگر اس نے ہر بار ایک نئے عزم اور ایک نئی منصوبہ بندی کے ساتھ دشمن سے ٹکر لی اور اپنا تخت و تاج چھین لیا۔ اس لئے

تاریخ عالم میں اسے نمایاں اور عظیم ترین سالاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ایک حکمران اور منتظم کے طور پر بابر کی حیثیت پوری دنیا میں مسلمہ ہے اس کی سلطنت مغرب میں بھیرہ سے مشرق میں بہار تک پھیلی ہوئی تھی۔ شمال میں ہمالیہ اور جنوب میں چندریری تک اس کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اتنی وسیع سلطنت کا انتظام اور انصرام اس نے جس خوش اسلوبی سے کیا وہ اسی کا حصہ تھا۔

اس کے علاوہ بابر نے لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا قلع قمع کر کے اپنی رعایا کو امن وسکون کی زندگی سے مالا مال کیا وہ رعایا کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچانے میں پیش پیش رہتا تھا۔ اس نے اپنی رعایا کو اپنی اولاد سمجھا اور اس حسن سلوک میں مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخفیف نہ کی تھی۔

بابر زندگی بھر جنگوں میں کچھ اس طرح گھرا رہا کہ اسے حسب منشاء انتظام وانصرام اور رعایا کی مکمل خدوت کا موقع نہ مل سکا۔ بابر میں مغلوں کی توانائی اور ترکوں کا حوصلہ تھا اس کی صلاحیتیں مسلمہ اور مصروفیات بے شمار تھیں شاید اس کے دل ودماغ فراغت طلبی کی جگہ خود نت نئی مصروفیات کی تلاش میں رہتے تھے۔

اس نے مشکلات اور مصائب کا مقابلہ اس الوالعزمی کے ساتھ کیا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ کبھی تخت آرائی کبھی کانٹوں کی سیج پر زندگی بسر کرتا رہا۔ اس کے باوجود بابر کے چہرے پر کبھی کرب کے آثار دکھائی نہ دیئے۔ تاریخ میں اسے ایک مستقل مقام حاصل ہے اور اس کی عظمت سے انکار مشکل ہے۔ اس کی زندگی کے وہ تین سال بدترین تھے جب وہ اپنے ماموں کے پاس تاشقند میں نیک طرح سے روپوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس دوران اس کی زندگی سے

آرام وسکون بالکل غائب تھا اس کے اپنے قول کے مطابق ''شاید ہی کبھی کوئی ایسا وقت آیا ہو کہ مجھے ایک مقام پر دوسری بار روزہ رکھنے کی مہلت ملی ہو۔''

لیکن یہ اس کی معاملہ فہمی اور ہمت ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے مصائب جھیلنے کے باوجود وہ نہ صرف دوبارہ تخت پر قابض ہوا بلکہ اس نے برصغیر میں ایک عظیم الشان مغلیہ سلطنت کی بنیاد بھی رکھ ڈالی تھی۔

بابر نہ صرف ایک رحمدل انسان بلکہ معاملہ فہم حکمران نڈر اور زیرک سالار اور ماہر منتظم تھا بلکہ موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ سے بھی کمال دلچسپی کے علاوہ وہ خود ایک نہایت عالم وفاضل شخص اور روزنامچہ نویس تھا اس کی خودنوشت ''ترک بابری'' یا ''بابرنامہ'' کو آج تک ایک بلند مقام حاصل ہے۔

تاریخی اعتبار سے بھی خود اپنی زندگی سے متعلق لکھے ہوئے واقعات بھی قدروقیمت میں نمایاں ہیں۔ زبانوں میں اسے ترکی اور فارسی زبان پر مکمل عبور تھا۔

اس کی ترکی نظموں کا مجموعہ شعر وادب کا سرمایہ شمار کیا جاتا ہے تاریخ عالم میں ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں جو بیک وقت عظیم فاتح اور شاعر بھی ہوں۔

بابر نے اپنی داستان حیات اپنی مادری زبان ترکی میں قلم کی۔

بابر کی اپنی زندگی سے متعلق لکھے ہوئے حالات کو جسے ''ترک بابری'' کہتے ہیں اس کا ترجمہ اس کے بعد ہمایوں کے وزیر بیرم خان کے لڑکے عبدالرحیم خانخاناں نے کیا تھا۔ اس کے انگلش میں دو ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ ہندوستان کی سرزمین سے متعلق بابر خود لکھتا ہے۔

"ہندوستان میں دریا یا اس پانی کے سوا جو ندی نالوں میں بہتا ہے۔ پانی میسر نہیں۔ یہاں کے باغات اور ان کی اقامت گاہوں میں کہیں بھی جوئے رواں نظر نہیں آتا۔ یہاں کے لوگوں کے مکانات میں کشادگی ہے نہ حسن نہ ہوا کا گزر ہے نہ تعمیر میں باقاعدگی۔"

وہ مزید لکھتا ہے کہ!

"ہندوستان کے کاشتکاروں اور کم آمدن کے لوگوں کو قریباً برہنہ تن کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے جسم کو ایک چیز سے ڈھانپتے ہیں جسے لنگوٹا کہا جاتا ہے ایک کپڑا ہوتا ہے جس کے دو پائنچے سے بنا کر اس کا دوسرا کونا دونوں ٹانگوں کے درمیان سے گزار کر مرکز میں کس دیا جاتا ہے۔ عورتیں بھی اسی طرح ایک کپڑا باندھ لیتی ہیں جس کا نصف حصہ ان کی کمر کے گرد اور دوسرا جسم سے لپٹا ہوا سر پر پہنچ جاتا ہے۔" جسے "ساڑی" کا نام دیا گیا ہے۔

بابر مزید لکھتا ہے!

"اس خطہ میں اگر کوئی اچھی چیز ہے تو وہ وسعت ہے اور سونے و چاندی کے ذخائر ہیں اس کے علاوہ برسات کے موسم میں اس کی ہوا خوشگوار ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات دن میں دس پندرہ بلکہ بیس مرتبہ بارش ہو جاتی ہے اور پلک جھپکتے میں چاروں طرف جل تھل ہو جاتا ہے۔ خشک دریا لبالب بھر جاتے ہیں۔ بارش کے دوران تو ہوا کے جھونکوں کا جواب ہی نہیں ہوتا مگر موسم برسات میں ہوا سست اور نم آلود ہو جاتی ہے جو کتابوں اسلحہ پارچہ جات اور ظروف تک پر اثر انداز ہوتی ہے مگر کبھی شمال مغربی گرد آلود ہوائیں چلتی ہیں اور کبھی کبھی خاک کے

تیز بگولے بھی چل اٹھتے ہیں کبھی تو اس گرد و غبار اور بگولوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا ان تیز ہواؤں کو یہاں کے لوگ آندھی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

بابر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتا ہے کہ!

"ہندوستان میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں ہر قسم کے اور لاتعداد کارکن میسر ہیں۔ یہاں پر مخصوص کام کے لئے مخصوص ذات کے لوگ ہیں جو آباؤ اجداد کے اوقات سے اسی کام کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔"

بہر حال بابر اپنی انتھک محنت و جرأت مندی اور شجاعت کے باعث ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں ہمایوں بدخشاں میں ایک سال قیام کرنے کے بعد جب لوٹا تو آگرے میں وارد ہوا لیکن یہاں پہنچ کر وہ بیمار ہو گیا اور اس کی شدید علالت کو دیکھتے ہوئے بابر بڑا متفکر ہوا۔ اس کا بہتر علاج کروایا جب کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو ہمایوں کی صحت کے لئے دعا مانگتے ہوئے کہنے لگا۔

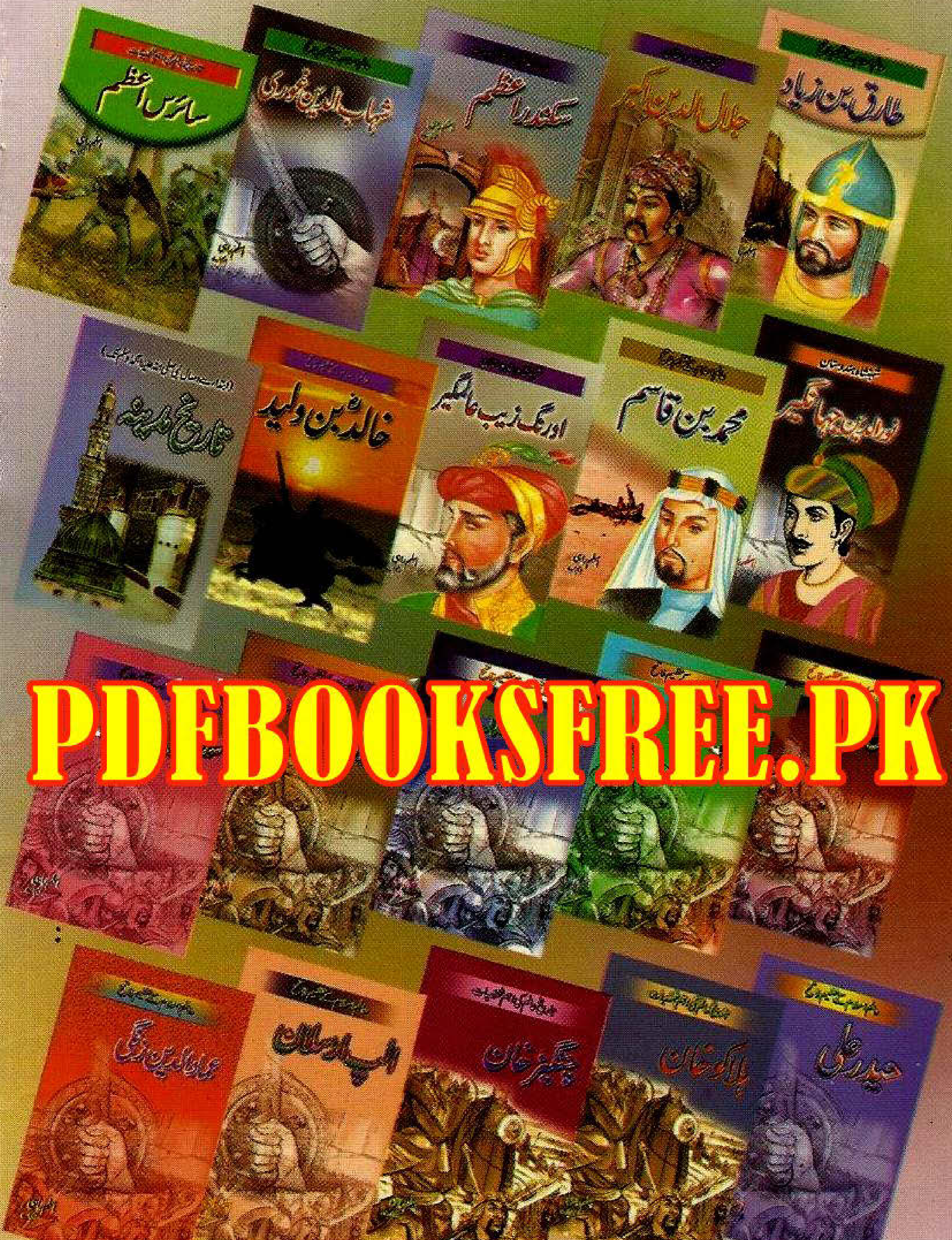
"ہمایوں کے لئے مجھ سے زیادہ قیمتی چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں ہمایوں کے لئے اپنی جان تک کی قربانی پیش کر سکتا ہوں اور خداوند حقیقی اس قربانی کو قبول فرمائے۔"

کہتے ہیں اس دعا کے بعد وہ خود تو علیل ہو گیا جبکہ ہمایوں بالکل صحت مند ہو گیا۔ آخر اپنی بیماری کے دوران ایک دن بابر نے اپنے سارے بڑے امراء اور سالاروں کو طلب کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں اپنی سلطنت اپنے بیٹے ہمایوں کے حوالے کر کے خود گوشہ نشین ہو جاؤں گا اس لئے کہ خداوند کریم نے اپنے فضل سے میرے دل کی بہت سی مرادیں پوری کر دی ہیں لیکن اب مجھے مرض نے دبا لیا ہے لہٰذا میں تم سب کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میرے بیٹے ہمایوں کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنا۔ اس کے وفادار اور آپس میں متحد رہنا۔ مجھے خدا سے امید ہے کہ ہمایوں بھی حسب دلخواہ کام کرے گا۔"

اپنے سارے سالاروں اور امراء کو یہ وصیت کرنے کے بعد بابر نے علیحدگی میں اپنے بیٹے ہمایوں کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تمہارے بھائیوں کو میں تمہاری حفاظت میں چھوڑتا ہوں۔ ان سے اخلاص اور محبت اور ساری رعایا کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا۔ اس وصیت کے تین دن بعد 26 دسمبر 1530ء کو بابر نے آگرہ میں انتقال کیا اس کی وصیت کے مطابق اسے آرام باغ آگرہ میں دفن کیا گیا اور بعد ازاں اس کا جسد خاکی کابل منتقل کر دیا گیا تھا۔



Ph:
2773302

شمع بک ایجنسی نیو اردو بازار کراچی